آسیہ رئیس خان

مجھ میں ہے قیام تیرا

"ان شاء اللہ وہ آج نہیں ہوگا۔" اوپر چڑھتے وقت خود کو تلقین کرتے ہوئے وہ مطمئن تھی کہ کل والا معاملہ آج نہیں ہوسکتا۔

اس اطمینان کی وجہ یہ تھی کہ یہ ویران ٹیلا اس کی کھوج میں تھا، باقی ساری بستی اس سے بے خبر تھی یا بھول گئی تھی۔ کوئی بھولا بھٹکا غلطی سے وہاں پہنچ بھی گیا ہو تو لگاتار دو دن پچیس تیس ٹوٹی پھوٹی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آنے اتنا سر پھرا ہر کوئی نہیں ہوتا۔ سیڑھیاں بھی وہ جو باقاعدہ سیڑھیاں نہیں تھیں بلکہ ٹیلے کی چڑھائی کریدا اور کھود کر سیڑھیاں بنانے کی جنہیں ایک کے بعد دوسری پھر تیسری جگہ بنادی گئی تھی۔ اسی لیے اسے امید تھی وہ اجنبی کل کی غلطی آج نہیں دہرائے گا لیکن آخری سیڑھی پر ہی اسے اس سر پھرے کی پشت نظر آ گئی اور سارے اندازے، مفروضے اور یقین دھرے کے دھرے رہ گئے۔

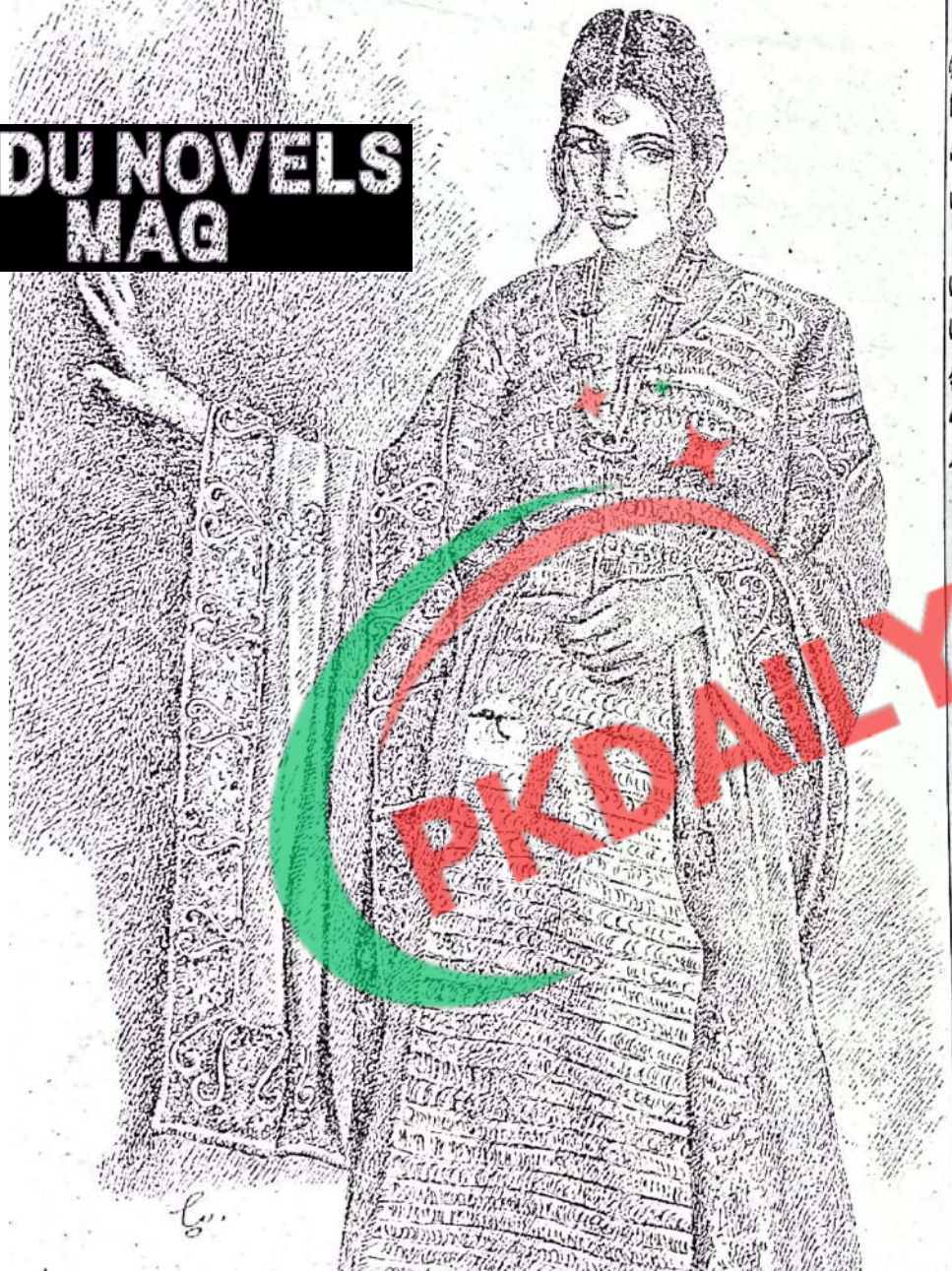

اس نے دانت پیستے ہوئے اپنی کجراری آنکھیں چھوٹی کیں اور چہرے کے تاثرات "اس کی اتنی ہمت" کی تفسیر ہو گئے۔ گزشتہ شام کی طرح دل پر پتھر رکھ کر پلٹنے کے بجائے وہ پورے استحقاق سے آگے بڑھی۔ مانا اسے وہاں تنہا وقت گزارنا پسند تھا مگر روز کسی اور کی وجہ سے پلٹنا بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی آخر اس جگہ کی "کولمبس" جو تھی۔ آہٹ پر پیچھے پلٹ کر قابض بندہ پلٹا تب ہی غصے اور جوش کے درمیان عقل نے چٹکی لی۔

مکمل ناول

URDU NOVELS MAQ
PKDAILYINFO.COM
CamScanner

"اس کے ساتھ بینچ پر بیٹھوگی، زمین پر پالتی ماروگی یا اس کے پیچھے کھڑی رہوگی؟"
ماضی کی باقیات میں وہاں ایک کونے میں زنگ زدہ لوہے کا تختہ زمین میں ایستادہ تھا جس پر لکھا "لیک ویو پوائنٹ" کے مٹے مٹے اڑے اڑے سے الفاظ تھے، ایک بینچ کے آدھے ادھورے پائے اور ایک سالم بینچ تھا اور ٹیلے کے اختتام پر لوہے کی سلاخوں کی زنگ آلود اور کمزور سی حفاظتی باڑھ تھی۔
عقل کی بروقت تنبیہ پر اگلا لائحہ عمل سوچتے ہوئے اس کی رفتار کم ہوئی لیکن گردن کرایہ مانگنے آئے مکان مالک جیسی اکڑ گئی۔ ہادی آنے والے پر ایک نظر ڈال کر سیدھا ہوگیا تھا۔ وہ اب دوبارہ نیچے جھیل اور اس کے آگے پھیلی آبادی کو دیکھ رہا تھا۔
شمی بینچ کے پیچھے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ اپنے علاقے میں لگاتار دوسرے دن اس دراندازی نے اسے تلملا دیا تھا۔ اس جگہ پر اس کا زیادہ بلکہ صرف اسی کا حق تھا۔ اسے اس ٹیلے پر دائیں بائیں موجود چھوٹے پودوں اور جنگلی جھاڑیوں کی تعداد تک یاد تھی، وہ آنکھیں بند کر کے انگلی کے اشارے سے بتا سکتی تھی، نیچے پوسٹ آفس کدھر ہے، ریلوے اسٹیشن کس سمت ہے، بسیں کہاں رکتی ہیں، بازار کس جگہ ہے اور بہت دور اپنے مکان اور ریستوران کی نشان دہی بھی کر سکتی تھی۔ کس مہینے سورج کس زاویے سے غروب ہوتا ہے، کس وقت اس کا سایہ نیچے جھیل میں دکھائی دیتا ہے، اسے یہ بھی ازبر تھا۔ وہ دانیہ کی شادی کے بعد سے روز نہ سہی لیکن اکثر یہاں آتی تھی اور اب سے پہلے یہاں اسے کوئی دوسرا ذی نفس نہیں ملا تھا۔ اس وقت وہ اس بچے کی طرح تلملا رہی تھی جس کے پرکار سے کھرچ کر بنائے نقش ونگار والے ڈیسک پر کلاس میں نیا وارد ہوا بچہ بیٹھ گیا ہو، فرق یہ تھا وہ اسکولی بچے کی طرح بستے سے دھکا دے کر اسے گرا نہیں سکتی تھی۔
"[illegible] آپ کا معمول [illegible] پھر بھی [illegible] ہیں۔" ہادی نے نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے کہا۔
بے تکلفی سے ہمدردی اور دانش مندی کا یہ اظہار اسے بقول آنی، سن رسیدگی کی طرف تیزی سے محو سفر پچیس سالہ عمر پر طنز لگا اور پہلی بار مقدور بھر برا بھی لگا حالاں کہ وہ عورت سے عمر نہیں پوچھتے، جیسے سے نہیں تھی۔ وہ آگے آئی، کسی خیال کے تحت بینچ کے قریب پہنچ کر ذرا ٹھہری، پھر لب بھینچ کر بینچ کے دوسرے کنارے بیٹھتے ہوئے اپنا پرس درمیان میں رکھ لیا جو اتفاق سے آج اس لیے ساتھ تھا کہ اسے واپسی میں افروز ماسی کی دوائیاں لینا تھیں۔
"ویسے تو پورا قصبہ ہی خوبصورت ہے پھر اتنی مشقت کی خاص وجہ؟" سوال پوچھتے ہوئے ہادی کی نظر سامنے افق پر جمی تھی جہاں سورج نے بادل اوڑھ لیے تھے اور ان کی آنکھ مچولی نے بڑے دل فریب رنگ بکھیر رکھے تھے۔ مطلب، وہ نہ صرف گزشتہ شام اس کی آمد سے باخبر تھا بلکہ اسے پہچان بھی گیا تھا۔
"یہ قصبہ نہیں شہر ہے جس کا خوبصورت نام ہے، بستی، اور جواب پہلے آپ دے دیں۔" شمی کے چبھتے، جتاتے لہجے پر وہ مسکرانے لگا۔ وہ بھی تو لگاتار دوسرے دن اس جگہ موجود تھا۔
"نئی جگہوں کی کھوج میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔"
"پھر تو آج آپ کو کسی "نئی جگہ" پر ہونا چاہیے تھا کہ یہ آپ کے لیے ایک دن پرانی ہے۔"
"مجھے عام ڈگر سے ہٹ کر باتیں ہوں، بندہ ہو یا جگہ مجھے سب اٹریکٹ کرتے ہیں۔" اس نے گردن موڑ کر شمی کو بغور دیکھا۔ مقابل چہرے پر پھیلا تبسم اسے آگ لگا گیا۔ وہ اس کے علاقے میں جبراً گھس کر اب "ایسٹ انڈیا کمپنی" کی طرح بہانے بنا کر پھیل رہا تھا۔
"اس اٹریکٹیو جگہ کو کچھ وقت پہلے عوام کے لیے بند کر دیا گیا تھا، جاننا چاہیں گے کیوں؟" وہ اچانک مہذب میزبان کی طرح تمیزدار لہجے میں گویا ہوئی۔
"کیوں؟"
"نیچے کی جھیل انہیں اتنا اٹریکٹ کرتی تھی کہ وہ کود پڑتے تھے۔" اب کے انداز کچھ یوں تھا جیسے کہہ رہی ہو "بسم اللہ کریں۔"
"شکریہ، میرا شمار خواص میں ہوتا ہے۔" ہادی کے الفاظ تشکرانہ مگر تاثرات تمسخرانہ تھے۔
"یہاں کا خوش گوار موسم اور صحت مند آب وہوا ذہن پر اچھا اثر ڈالتی ہے، آپ کو بھی افاقہ ہوگا۔" اب شمی کا لہجہ استہزائیہ تھا۔
"ثبوت تو کچھ اور کہہ رہے ہیں۔" ہادی نے سرتاپا اس کا جائزہ لیتے ہوئے جتایا۔
مزید ثبوت کے لیے اس کا ہاتھ درمیان میں رکھے پرس کی طرف بڑھا تھا کہ ہادی کے فون کی رنگ ہوئی۔ اس نے جیب سے فون نکالا اور ریسیو کرتا ہوا آگے ٹوٹے جنگلے کے پاس چلا گیا۔
"دھکا ہی نہ دے دوں!" اس نے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے سوچا۔
"میں کیوں گناہ کروں، پیر بھی تو پھسل سکتا ہے۔" اس کی آنکھیں ہادی کے جوتوں پر ٹھہر گئیں۔ جو کچی زمین پر ٹھیک ٹھاک جمے تھے۔ وہ کوئی برا لقب یا نام دینا چاہ رہی تھی مگر کچھ ذہن میں نہ آیا۔ زبان بے قرار تھی کہ کچھ تو کہا جائے۔ اس کی یہاں موجودگی کیا کم تھی اس پر اس کی باتیں اور انداز اس کا اندراج دشمن والے خانے میں ہوگیا جو بے چارہ اب تک خالی تھا۔
"مجھے گالیاں کیوں نہیں سکھائیں آنی!" اس نے دل ہی دل میں شکوہ کیا۔ جوتوں پر برینڈ کا نام دیکھ کر اس کا بنا منہ مزید بگڑا اور زبان سے بے اختیار پھسلا۔
"بلڈ رِچ!" اس نے اسے ہی دشنام کی طرح دوبارہ بنا آواز کے دہرایا اور اندر ذرا سکون اترا۔
وہ اتنا آہستہ بول رہا تھا کہ اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ قوی امکان تھا وہ بھی یہاں سے گزرنے والا سیاح یا مسافر ہوگا جیسے یہاں آنے والے اکثر اجنبی ہوتے تھے۔ اس کا بیگ پیک زمین پر بینچ سے ٹکا تھا۔ لیکن یہ سیاحوں کے ٹھہرنے کا مقام نہیں تھا۔ وہ سفر کے دوران رات گزارنے یا کھانے وغیرہ کے لیے ذرا دیر کو رکتے تھے جب کہ وہ کل شام سے آج شام تک یہاں اس شہر میں موجود تھا۔
"شاید گاڑی خراب ہوگئی ہو یا کسی کا انتظار ہو۔" اس کا ذہن جواز پیش کر رہا تھا کہ یقیناً وہ آج چلا ہی جائے گا۔
"لیکن نیچے گاڑی نہ کل تھی نہ آج ہے۔" نیا خیال پھر الجھا گیا۔
وہ فون بند کر کے پلٹا۔
"یہاں ٹھہرنے کے لیے کوئی اچھا ہوٹل ہے؟" اس دوستانہ لہجے میں ذرا دیر پہلے والے انداز کا شائبہ تک نہ تھا۔
"شو آف کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار یوز (استعمال) کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔" شمی کا اشارہ اس کے ہاتھ میں پکڑے مہنگے ترین فون اور گوگل کی طرف تھا۔ اس اجنبی کا ایسا برا تاثر پڑا تھا کہ اس نے اپنے ممکنہ صارف اور کمائی کو لات ماردی۔
"سنا تھا ایسی جگہوں کے لوگ بڑے اچھے اور مہمان نواز ہوتے ہیں، یہ سنی سنائی غلطی آج درست ہوگئی، تھینک یو۔" اس نے بیگ پیک اٹھایا۔
"یہاں کی واحد اچھی جگہ میں آپ کے لیے گنجائش نہیں، باقی سب ایک سی ہیں، کہیں بھی ٹھہر جائیں۔" اس نے غلط تاثر میں سارے شہر کو شامل کر لیا تھا سو اس نے "ڈیمج کنٹرول" کی سعی کی۔
"اوکے۔" اس نے بیگ پیک شانوں ڈالا۔
"پہلا بندہ تو نہ اچھا نکلا! نہ مہمان نواز، باقی کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔" وہ دل جلانے والے تبسم کے ساتھ اس پر بھرپور نظر ڈال کر آگے بڑھ گیا۔
"حق ہا آنی، مجھے گالیاں کیوں نہیں سکھائیں؟" آج سے پہلے اپنی اس محرومی کا ایسا قلق کبھی نہیں ہوا تھا۔
"پہلا بندہ......؟" ذرا دیر بعد وہ چونکی۔
"یہ کل بھی تو یہاں تھا......تو کیا کل سے ابھی تک یہیں بیٹھا تھا......؟" اس کا منہ حیرت سے کھلا رہ

URDU NOVELS MAG
PKDAILYINFO.COM
CamScanner

گیا۔

"جھوٹا کہیں کا!" اگلے پل ہی اسے احساس ہوا یہ ناممکن تھا۔ وہ کہیں قیام کر چکا ہوگا اور رات وہیں گزاری ہوگی۔

"اچھا ہی ہوا، میں نے اپنے ریسٹ ہاؤس کا نام نہیں بتایا۔" اس کے جانے کے بعد اس نے سوچا۔

گوا، کرناٹک اور مہاراشٹر، ان تین صوبوں کی سرحدوں کے قریب یہ چھوٹا سا شہر "بستی" تھا۔ آس پاس کئی ساحل اور کچھ فاصلے پر ہل اسٹیشنز بھی تھے۔ یہ جگہ تینوں صوبوں میں آنے جانے والے سیاحوں کی گزرگاہ بھی۔ خود اس مقام کا بھی اپنا حسن تھا۔ آس پاس ٹیلوں جیسے پہاڑ تھے اور ان کے درمیان بڑی سی جھیل اس بستی کا حسن تھی۔ شہر میں کئی چھوٹے تالاب بھی تھے۔ گرمیاں شدید نہیں ہوتی تھیں لیکن سردیاں اور بارشیں شدید۔ شہر کے باشندے زیادہ تر کسان تھے مگر نئی نسل اس کے علاوہ دوسرے میدانوں میں بھی قسمت آزمائی کر رہی تھی۔ بستی کے چاروں طرف کھیت ہی کھیت تھے۔ اس کے علاوہ ناریل اور پام کے درختوں کی بہتات تھی۔

وہ بچپن سے اپنے نانا، نانی اور خالہ یعنی آنی کے ساتھ تھی۔ نانا کا آبائی مکان تھا اور ساتھ ہی کافی زمین بھی۔ وہ پوسٹ ماسٹر تھے۔ سبک دوشی کے بعد دوستوں کے مشورے پر انہوں نے ریسٹ ہاؤس کی بنیاد رکھی تھی۔ اپنے تین کمروں کے مکان کے سامنے تین کمرے نیچے اور تین اوپر بنائے، ساتھ ہی ایک الگ اور کشادہ باورچی خانہ، انہیں ضروری سہولیات سے مزین کیا اور ایک معقول ریسٹ ہاؤس تیار ہو گیا۔ ان کا مکان شہر کی آخری حدود میں لیکن عام شاہراہ کے قریب تھا جو آس پاس کے تفریحی مقامات پر آنے جانے والے مسافروں کے راستے میں پڑنے والی جگہ تھی۔ راستے کے کنارے ایک بورڈ لگا کر سیاحوں اور مسافروں کو آرام کے لیے رکنے کی [illegible] جگہ کی [illegible] نکالا۔ نانا کے ایک یتیم بھتیجے جبار کم سنی

سے ہی ان کے پاس رہتے اور کام کرتے تھے اور شادی کے بعد بیوی افروز کے ساتھ الگ رہنے لگے تھے۔ وہ بہت اچھے باورچی تھے اور بے اولاد تھے۔

وہ سب چند ملازمین کے ساتھ ریسٹ ہاؤس اور اس میں ٹھہرے مسافروں کی دیکھ بھال میں مصروف، مگن اور شاد رہتے تھے۔ وہ دس سال کی تھی تب نانا فوت ہو گئے اور اس کے چار سال بعد نانی بھی۔ آنی نے اس کے لیے شادی نہیں کی تھی۔ نانا کی وفات کے بعد جبار بھائی اور افروز ہی اب ان کے بزرگ تھے۔ پڑھائی مکمل کرتے ہی وہ بھی پوری طرح خاندانی کام میں لگ گئی تھی۔ آنی نے بہت سمجھایا اور کوشش کی کہ وہ مزید پڑھ لے، کچھ بن کر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے اور اس کا مطلب تھا اس شہر اور آنی سے دور جانا جو اسے منظور نہیں تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ جدید طرز کے دو چھوٹے ہوٹل کھل گئے تو اس "وینج ریسٹ ہاؤس" میں کم لوگ ٹھہرنے لگے۔ زندگی کی گاڑی کھینچنے کے لیے پھر نانا کے دوست محی الدین کام آئے۔

انہوں نے آنی کو مشورہ دیا کہ ریسٹ ہاؤس اور مکان کے اگلے کھلے حصے میں چھوٹا سا کھانے پینے والا ہوٹل بھی کھول لیا جائے۔ ریستوران کے لیے سب سے خاص ہوتا ہے ایک اچھا باورچی جو جبار بھائی کی شکل میں ان کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ ریسٹ ہاؤس کا باورچی خانہ تو تھا ہی، آگے چھت ڈال کر لازمی سہولتوں اور ضرورتوں کے ساتھ کچھ میزیں اور کرسیاں رکھ دی گئیں۔ ان کا مینیو مختصر اور سادہ تھا جو سفر کے دوران راستے میں رکنے والوں کے لیے مناسب اور سستا تھا۔ آہستہ آہستہ یہ ہی ان کی آمدنی کا واحد ذریعہ رہ گیا تھا۔ ریسٹ ہاؤس سے آمدن کم ہوتے ہوتے سال کے کچھ مہینوں تک محدود ہو گئی تھی۔

جبار بھائی اور افروز کے علاوہ برتن دھونے اور صفائی کے لیے آستھا تائی (مراٹھی میں تائی بڑی بہن کو کہتے ہیں یعنی آپا باجی) تھیں اور بطور بیرے صبح نو

بجے سے شام آٹھ بجے تک تین نوعمر لڑکے رفیق، سونو اور شاہد کام کرتے تھے۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا ریسٹ ہاؤس میں آ جاتا تو وہ سب وہاں کے کام بھی دیکھ لیتے۔ رفیق، شاہد اور سونو کے آنے سے پہلے اور جانے کے بعد اگر کوئی مسافر آ جاتا تو ان کے بدلے کا کام وہ کر لیا کرتی تھی۔ نو بجے وہ "کلوزڈ" والی تختی باہر لٹکا دیا کرتی تھی۔ اکثر لوگ انہیں مشورہ دیا کرتے کہ رات دیر تک کھلا رکھا کریں لیکن آنی اس کے حق میں نہیں تھیں۔ ان پر اللہ کا خاص کرم تھا کہ نئے ریستوران کھل جانے کے باوجود بھی سب سے زیادہ مسافر ان کے یہاں رکتے تھے۔

اسے بستی کا کونا کونا ازبر تھا کہ ساری عمر اس چھوٹے سے شہر میں گزاری تھی۔ ایک دن اتفاقاً اس جگہ کی دریافت کے بعد وہ دانیہ کے ساتھ کبھی کبھار یہاں آتی تھی۔ پھر اسے سیاحوں کے لیے خاص کر دیا گیا۔ وہاں ان کے لیے "لیک ویو پوائنٹ" بنایا گیا تھا۔ جانے مقامی میونسپلٹی کا کیا منصوبہ تھا مگر ایک دن کسی مسافر نے سب کی موجودگی میں وہاں سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی جس کے بعد اسے عوام کے لیے بند کر دیا گیا تھا۔ جلد ہی مافوق الفطرت قصے اور کہانیاں اس جگہ سے وابستہ ہوتے گئے اور لوگ اسے بھول گئے۔ وہ اجاڑ اور ویران تھا لیکن یہاں کی خاموشی تنہائی اور نیچے بستی کو دیکھنا اسے اچھا لگتا تھا۔ دانیہ کی شادی کے بعد بھی کبھار کا یہ چکر اس کا معمول بن گیا۔ بینچ اور اس جگہ سے دکھائی دینے والا نظارہ اس کے نئے ساتھی بن گئے تھے۔ ریستوران میں کتنی ہی مصروفیت ہو وہ کچھ دیر کے لیے یہاں آتی ضرور تھی۔ آنی نے بھی اس کی صبح شام کی چہل قدمی پر کبھی روکا ٹوکا نہیں تھا۔

مغرب کے وقت وہ گھر پہنچی تو سائبان یعنی ان کے ریستوران ہائی وے بریک، سے باتوں اور برتنوں کا شور اٹھ رہا تھا۔ باہر تین گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ وہ اندر سے گزر کر جانے کے بجائے پیچھے سے اپنے کمرے میں چلی گئی، نماز پڑھی اور پھر باہر آئی۔

ان کا چھوٹا سا دفتر بھی ایک الگ تھلگ گوشے میں ایک لمبے سے کاؤنٹر اور کرسی پر مشتمل تھا۔ ریستوران دراصل سائبان جیسا تھا۔ چاروں طرف تین چار فٹ کی دیوار تھی، اس دیوار اور چھت کے درمیان لکڑی کا جنگلا تھا اور درمیان میں قدرے چوڑا دروازہ جو وہ رات سونے سے پہلے بند کرتی تھیں۔ کھلی چھت کی تھی۔ یہاں کی فضا اور آب و ہوا میں یہ کھلی سی جگہ لوگوں کو پسند آتی تھی۔ جہاں سے سرسبز ٹیلے اور دور جھیل دکھائی دیتی تھی۔

"آپ نماز پڑھ لیں آنی! میری ہو گئی ہے۔"

"ذرا جلدی جایا کرو تاکہ جلد واپس آؤ، عین مغرب کے وقت باہر ہوتی ہے۔" انہوں نے کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔

اب وہ کیا بتاتی کہ آج اس کا وقت کس نے برباد کیا تھا۔ انہوں نے تو سننے کے بعد اس کا ادھر جانا بند کروا دینا تھا۔

اس وقت وہاں ایک میز پر نوجوان جوڑا کافی پی رہا تھا۔ حلیے اور انداز سے ہی نئے شادی شدہ لگ رہے تھے۔ جینز اور ٹاپ کے ساتھ ساتھ لڑکی کے دونوں ہاتھوں میں دلہنوں والا سرخ پنجابی "چوڑا" تھا۔ دوسری میز پر تین لڑکے تھے اور دو میزیں ملا کر ایک ساتھ پورا خاندان بیٹھا تھا۔ چار بچے، دو مرد دو عورتیں اور ایک بزرگ خاتون۔ ان کی باتوں اور ہنسی مذاق کے ساتھ برتنوں اور چمچوں کا شور تھا۔ سونو شاہد اور رفیق تن دہی سے کام میں لگے تھے۔

اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے سامنے کھلے رجسٹر کو دیکھا۔ روم نمبر ایک میں کوئی ٹھہرا ہوا تھا۔ آج کی تاریخ اور کچھ دیر پہلے کا اندراج تھا۔

"شکر ہے کوئی آیا تو۔" اسے خوشی ہوئی۔ "اللہ کرے یہ بہت دن تک رکے۔" اس نے دعا کی۔

کچھ دیر بعد وہ جوڑا چلا گیا تو اس نے سستی سے دیوار پر آویزاں گھڑی کو دیکھا۔ اسی وقت باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ مزید مسافر کھانے کے لیے موجود تھے۔

URDU NOVELS MAG
PKDAILYINFO.COM
CamScanner

URDU NOVELS MAG

"جلدی کرو شاہد۔" اس نے میز صاف کرتے شاہد کو آواز دی جو خود بھی باہر کا شور سن کر تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔

☆☆☆

ان کی صبح جلدی ہوتی تھی۔ فجر پڑھتے ہی آنی سبزی، اور دیگر سامان لینے بازار جاتیں اور اس دوران وہ آستاناتی کے ساتھ مل کر صفائی کرواتی۔ صفائی ہوتے ہی آٹھ بجے وہ "کلوزڈ" والی تختی ہٹا دیتی تھی۔ سونو، شاہد، رفیق نو بجے تک آتے تھے۔ اس سے پہلے جو بھی آتا وہ، آنی اور افروز مل کر ان کی خدمت کرلیا کرتے۔ ان کا دن بھی معروف گزرتا تھا۔ اس لیے وہ سب جلد سونے کے عادی تھے۔ آنی تو عشاء پڑھتے ہی سو جاتی تھیں۔ جبار بھائی اور افروز بھی لیکن ٹی وی اور موبائل کی وجہ سے وہ مزید گھنٹہ دو گھنٹہ جاگتی رہتی تھی۔

زندگی میں پہلی بار ہوا تھا کہ کچھ دنوں سے فکر کی وجہ سے اس کی نیندیں اڑی ہوئی تھیں۔ ان کی آمدنی سے اخراجات اور ملازمین کی تنخواہیں نکالنے کے بعد اتنی رقم بچ جاتی تھی کہ وہ ٹھاٹھ سے رہ رہی تھیں لیکن پچھلے سال آنی کے ایک کے بعد ایک ہوئے دو آپریشنوں نے ان کی بچت ختم ہی کردی تھی۔ پہلے انہیں پتے میں پتھری ہوئی، جس کا علاج جراحت ہی تھا۔ اس کے کچھ دن بعد مکمل صحت یاب بھی نہیں ہوئی تھیں کہ گر کر کولہے کی ہڈی تڑوالی۔ بارش کے دن تھے اور پچھلے حصے سے ریستوران کی طرف آتے ہوئے درمیانی حصے میں پیر پھسلا اور وہ زمین بوس ہوگئیں۔ نیچے پکا فرش تھا اور وہ نہایت دبلی پتلی سی۔ آنی کے تردد کے باوجود اس نے شہر کے سب سے اچھے اور بڑے نجی اسپتال میں ان کا علاج کروایا تھا۔ جس کا بل بھی بڑا سا آیا تھا۔

آنی کے آپریشنوں کے بعد اسے کسی ناگہانی کا انجانا سا خوف ... ہو گیا تھا لیکن ... اور پریشانی کی ... کے معاملات آنی ہی دیکھتی تھیں ... کے بعد بھی حساب کتاب میں اس کی دلچسپی قائم نہیں ہو پائی تھی۔ ٹیکس کا بھی معاملات محی الدین کے بیٹے اپنے کسی شہری دوست کے سی اے سے کروا دیتے تھے۔ محی الدین کی وفات کے بعد بھی ان کے گھر والے اپنے طور پر ان خالہ بھانجی کی دیکھ بھال اور پرواہ کرتے تھے۔ آنی کی بیماری اور اسپتال کے دوران اس نے جب حساب کتاب اور رجسٹر دیکھے تو علم ہوا کہ وہ مقروض بھی ہیں۔ یہ قرض انہوں نے ریستوران شروع کرنے سے پہلے لیا تھا۔ تب سے وہ شش و پنج میں تھی کہ آنی سے اس بابت بات کرے یا نہ کرے، کہ انہوں نے آج تک یہ بات اس سے مخفی رکھی تھی۔ ان سے چھپ چھپ کر اس نے بڑی دماغ ماری کے بعد سمجھا تھا کہ قرض گاؤں کے ہی سردار شیخ سے لیا گیا ہے، وہ پانچ لاکھ انہیں لوٹا چکی تھیں اور اب بھی چار لاکھ دینا باقی تھے۔ اگر کووڈ اور لاک ڈاؤن نہ ہوتا تو شاید یہ بھی دے چکی ہوتیں۔ اس دوران آمدنی بند تھی اور خرچ بچت کی رقم ہو رہی تھی۔ آنی نے اس دوران ملازمین کا بھی خیال رکھا تھا۔ سردار شیخ اب صاحب فراش تھے اور ان کا وارث، ان کا بیٹا مقصود باپ سے مختلف مزاج رکھتا تھا۔ جب سے اس نے دوبار اسے ریستوران میں آنی کے ساتھ سرگوشیوں میں باتیں کرتے دیکھا تھا، اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ اس نے اڑتی اڑتی خبریں سنی تھیں کہ وہ بھی اپنا ریستوران کھولنا چاہتا ہے۔ ان کی بچت میں کتنی رقم تھی، یہ جاننے کے بعد اسے اس قرض کی ادائیگی کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

اس وقت بھی وہ رات کے ساڑھے بارہ بجے نیند سے خالی آنکھیں لیے قرض ادا کرنے کے لیے کوئی حل، تدبیر اور راستہ سوچ رہی تھی۔ وہ دونوں پیر اوپر کیے کرسی پر بیٹھی تھی۔ سامنے مونگ پھلی کے نمکین دانے تھے اور پاس ہی پانی سے بھرا گلاس بھی۔

پورے چاند کی رات نے ہادی کو کمرے سے باہر نکلنے کی دعوت دی تھی۔ باہر آ کر وہ کمرے کے آگے ہی چبوترے پر بیٹھنے کا سوچ رہا تھا کہ سائبان کی جانب سے آتی روشنی دیکھ کر ادھر چلا آیا۔ آہٹ پر شمی نے سر اٹھایا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔

"تم؟" اس نے پیر نیچے لٹکائے۔

"یہاں کیا کر رہے ہو؟" ایسا جھٹکا لگا تھا کہ شام والا ادب اور انداز تخاطب سب ہوا ہوگئے۔

ہادی اس سے زیادہ حیران تھا۔ اس کے تصور میں 'وہ' گلابی رنگت اور بھوری آنکھوں والی طرح دار حسینہ تھی۔ جس کے چلنے، بولنے، اٹھنے بیٹھنے غرض ہر حرکت میں نزاکت اور ادا تھی بالکل ویسی جیسی شائستہ جبیں تھی مگر اس کے سامنے موجود لڑکی اس تصور کے برعکس تھی۔ سانولی رنگت پر جانے اس کے بال زیادہ سیاہ تھے یا آنکھوں کی سیاہی زیادہ گہری تھی۔ ان سیاہ آنکھوں کے جل کی سیاہی رات کے اس پہر بھی باقی تھی۔ وہ آنکھیں پہلی بار لیک ویو پوائنٹ پر بھی اسے ایسے ہی اپنی جانب کھینچ رہی تھیں جیسے اس وقت۔ اس کا چہرہ جاذب نظر تھا کہ فوراً نگاہ ہٹتی نہیں تھی لیکن انداز میں نزاکت و ادا کا دور دور تک شائبہ نہ تھا، اس کی جگہ بے نیازی اور لاپروائی تھی۔ اس کے ظاہری حلیے اور صورت سے بڑھ کر شدید جھٹکا اسے یہ جان کر لگا کہ شاعرانہ پُرکشش لڑکی اس کے ذہن میں محفوظ ہی نہیں نقش ہوگئی تھی اور یہاں آنے کی وجہ بھی وہی لڑکی تھی، یہ سچائی اسے ایک عجیب اور نئے سے احساس سے روشناس کروا رہی تھی۔ اس نے جلد خود کو سنبھال لیا۔

میز کے قریب پہنچ کر اس نے کرسی پلٹی اور اس کی پشت پر دونوں ہاتھ جما کر بیٹھ گیا۔

"تم ایک ناکام اور نالائق بزنس وومن ہو۔" اس نے بھی وہی انداز تخاطب اپنایا۔ شمی کے ابرو چڑھ گئے۔

"خالی پڑے ریسٹ ہاؤس کے لیے ملا کسٹمر تمہیں ہر حال میں ایکسیپٹ کرلینا چاہیے تھا۔" خالی ریسٹ ہاؤس کا طعنہ اسے چابک کی طرح لگا۔

"کسٹمر کتنا منہ پھٹ اور ال مینرڈ ہے یہ سمجھ جانے کے بعد بھی؟" وہ دل جلانے والے انداز میں مسکرائی۔

"منہ پھٹ اور ال مینرڈ بل پے کرنے والا ہو تو کیوں نہیں! تمہیں تھوڑی نہ اس سے رشتہ داری قائم کرنا ہے، بزنس کرنا ہے۔ ویسے پہلی بات سے میں متفق نہیں ہوں۔"

"میں نے دیکھا تم نے ڈپازٹ کی رقم ادا نہیں کی ہے۔" اسے رجسٹر یاد آیا۔

"کیوں کہ تمہاری سوائپ مشین نہیں چل رہی تھی، نیٹ ورک ایشو بھی تھا اور کیش میں رکھتا نہیں۔"

"گوگل کا استعمال تمہیں واقعی نہیں آتا، چہ!" اس نے پھر چوٹ کی۔ "دو اے ٹی ایم تو قریب ہی ہیں۔"

"یہاں کی منیجر کافی سوئیٹ اور انڈر اسٹینڈنگ ہیں، تمہاری طرح بالکل نہیں، وہ کسٹمر اور اعتماد دونوں کی اہمیت سمجھتی ہیں۔"

"ہم معصوم لوگ بدمعاشوں کے فیورٹ ہوتے ہیں۔"

"ارے!" وہ حیرانی کی اداکاری کرتا تھوڑا سا پیچھے ہوا۔ "میں تمہاری فیورٹ بھی ہوگیا۔"

شمی کے تاثرات یوں ہوئے مانو کڑوی کسیلی دوا منہ کا ذائقہ خراب کرتے ہوئے حلق میں اتر گئی ہو۔ میز سے پلیٹ اور گلاس اٹھا کر وہ کھڑی ہوگئی۔

"تمہارے سائیکاٹرسٹ نے درست مشورہ دیا ہے، یہاں دماغی حالت بہتر ہوسکتی ہے۔"

"لیکن تمہیں دیکھ کر وہ امید دم توڑ گئی۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

وہ برا نہیں مانتا تھا اور آخر میں اسی بات پر اسے غصہ آگیا۔ گلاس اور پلیٹ کاؤنٹر پر رکھ کر باہر جاتے ہوئے اس نے بتی بجھا دی لیکن پورے چاند کی وجہ سے اندھیرا نہیں ہوا تھا۔

"گڈ نائٹ۔" پیچھے سے ہادی نے کہا۔

اس کے جاتے ہی کرسی پر بیٹھے ہادی کا چہرہ ایک دم سنجیدہ ہوگیا۔ وہاں اب کچھ دیر پہلے والے دل جلاتے تبسم کی رمق بھی نہ تھی۔ جس شام وہ بستی پہنچا تھا

PKDAILYINFO.COM
CamScanner

URDU NOVELS MAG

دو شب گاڑی میں گزارنے کے بعد اگلا دن شہر میں گھوم پھر کر اس نے اس ریسٹ ہاؤس اور اس کے مالکوں سے شائستہ جبیں کا رشتہ معلوم کیا تھا۔ اسے ان دونوں کے نام پتا تھے۔

"کاش! میں وہیں اس کا نام پوچھ لیتا۔" جانے کون احساس تھا جو اس غفلت پر اس سے ناراض تھا۔

☆☆☆

صبح معمول کی طرح گہما گہمی والی تھی۔ وہ فجر کے بعد کچھ دیر سوئی تھی اس لیے اب سب کو حکم دیتے اور ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے زبان اور قدم تیز تیز چل رہے تھے۔

صفائی آخری مرحلے میں تھی کہ باہر رکشا رکنے کی آواز آئی۔ آنی بازار سے واپس آئی تھیں۔ وہ سامان لینے باہر نکلی اور چونک کر رک گئی۔ ہادی آنی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے تھیلیاں اٹھا رہا تھا، وہ خوش دلی سے ہنس رہی تھیں۔ دونوں دروازے کے قریب آئے تو اسے جگہ دینے کے لیے ہٹنا پڑا۔ ہادی اسے نظر انداز کرتا ہوا تھیلیاں لیے سیدھا پیچھے چلا گیا۔

"یہ سب کیا؟" اس نے اشارے سے آنی سے پوچھا۔ وہ کبھی کسی مہمان کے ساتھ بے تکلف نہیں ہوتی تھیں۔ وہ پیشہ ورانہ لحاظ، احترام اور رویہ رکھنے کی قائل تھیں۔

"تم ملی نہیں ابھی اس سے، یہ ہادی ہے، اچھا بچہ ہے، کل شام آیا ہے۔" وہ اس کی حیرت اور سوال کو اہمیت دیے بغیر آگے بڑھ گئیں۔ وہ بھی ان کے پیچھے تھی۔

"گیسٹ ہے تو ویسا ہی رویہ رکھیں نا، کیوں اتنا فری کر رہی ہیں اسے؟"

"جبار بھائی سے کہنا، آج ٹماٹر کم لگے ہیں، پکانا شروع کرنے سے پہلے وہ دیکھ لیں۔"

… ہیں۔ وہ مزید احتجاج … ہادی واپس آ گیا۔ ہوڈی والا سوئیٹ شرٹ، ٹریک پینٹ، رننگ شوز، بھیگے بال، اس کا حلیہ بتا رہا تھا وہ جاگنگ کر کے آیا ہے۔ اس کی کلائی پر بندھا فٹنس بینڈ دیکھ کر پھر اس کا منہ بن گیا۔

"آنی! چائے یا کافی مل سکتی ہے اس وقت؟" اس نے ادب سے پوچھا۔

آنی پر اسے کرنٹ لگا۔ وہاں رکنے والے میم، میڈم یا کبھی کبھار آنٹی کہا کرتے تھے۔ ایسا فری کوئی نہیں ہوا تھا۔ کوئی ایک حرکت ایسی نہ تھی کہ وہ اسے رعایت دیتی۔ پھر اسے گالیاں نہ آنے کا افسوس ہونے لگا۔

"ہاں کیوں نہیں، بیٹھو، ابھی بھجواتی ہوں۔" وہ تیزی سے اندر بڑھیں اور ہادی سعادت مندی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"گڈ مارننگ" اس نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ پر تکلف انداز میں کہتی وہاں سے ہٹ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سب اتنے مصروف ہوئے کہ وہ اس کے ذہن سے نکل ہی گیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ بھی کہیں چلا گیا تھا۔

شام میں لیک پوائنٹ پر جاتے ہوئے اسے دھڑکا لگا تھا کہ کہیں وہ آج بھی اس سے پہلے موجود نہ ہو۔ لاکھ وہ اسے اپنی ملکیت اور جاگیر سمجھے مگر کسی کو وہاں آنے سے روکنے کا اختیار نہیں رکھتی تھی۔

"اتنا تنگ نہ کر دوں اسے کہ وہ ادھر کا رخ کرنا ہی بھول جائے!" اس نے سوچا۔ "چھوڑو شمی! کہیں ایسا نہ ہو، یہاں کے بجائے وہ بوریا بستر سمیٹ کر ہی چلتا بنے۔" اگلا خیال اس کے تخریبی تخیل کو تھپکی دے گیا۔

"ان حالات میں ریسٹ ہاؤس میں کیسا بھی بندہ چلے گا اور مجھے کون سا اس سے رشتے داری استوار کرنی ہے۔"

الٹی سیدھی باتیں سوچتی جب وہ اوپر پہنچی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ جتنا وقت وہاں رکی، سارا دھیان اور دونوں کان آہٹ پر تھے کہ کہیں وہ آ تو نہیں گیا۔

"عجیب مصیبت ہے، نہ آ کر بھی سکون غارت کر دیا۔" واپسی میں بھی وہ اسے ہی سوچ اور کوس رہی تھی۔

"ایک تو آنی نے گالی نہ سکھا کر بڑا برا کیا ہے، بندہ ایک گالی دے اور ٹھنڈ پڑ جائے، یہ ایسے تو بس کوفت سوار رہتی ہے۔"

آنی اس کے بچپن کے قصے سناتی تھیں کہ وہ بہت شرارتی اور نٹ کھٹ بچی ہوا کرتی تھی۔ اس کی سہیلیاں بھی بہت تھیں مگر عمر کے ساتھ ساتھ جب زندگی کی تلخ حقیقتوں کا سامنا ہوا تو اس کی شرارتیں اور دوستیاں بھی پیچھے رہ گئیں۔ نانا نانی کی اداسی، خاموشی اور آنی کی تنہا زندگی کی وجہ وہ خود ہے، یہ سچ اداس کرنے والا ہی تو تھا، لیکن آنی نے کبھی گلہ شکوہ کیا نہ ساتھ چھوڑ جانے والوں کا ذکر بلکہ وہ اس کے ساتھ خوش باش رہتی تھیں۔ انہوں نے اپنے والدین کی طرح اداسی اور خاموشی کو دل میں، چہرے پر، زندگی میں کہیں جگہ نہیں دی کہ وہ ایسا کرتیں تو شاید سب شمی نے بھی کرنا تھا۔ انہوں نے کسی بات اور انداز سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ان دونوں کی زندگی اوروں سے مختلف ہے یا اس کا کوئی المیہ ہے۔ ان کے اسی طرز عمل اور طرز زندگی کا انعام تھا کہ کوئی زخم اور درد اس کے دل میں گھر نہیں بنا پاتا تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ سب بھول گئی تھی۔ افسوس، دکھ اور غصہ گاہے گاہے دستک دیتے تھے لیکن وہ ان کیفیات کو خود پر سوار نہیں کرتی تھی۔

یہ چھوٹا سا شہر تھا تو لوگ بھی سب جانتے تھے، باتیں کم سہی ہوتی رہتی تھیں سو یہ سایہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا تھا۔ آنی اب بھی اتنی عمر رسیدہ نہیں ہوئی تھیں کہ شادی ناممکن ہوتی۔ وہ پینتالیس چھیالیس سال کی تھیں، دبلی پتلی تھیں اور مشقت نے چاق و چوبند بھی رکھا تھا۔ جب اس نے سمجھ دار بن کر کے ان کی شادی کا ذکر کیا تو انہوں نے ہنستے ہوئے اسے چوما تھا۔

"پاگل لڑکی! شادی اب تمہاری ہو گی۔"

وہ وقفے وقفے سے اسے کوئی نہ کوئی رشتہ یا تصویر دکھاتی رہتیں جسے وہ آرام سے رد کرتی آ رہی تھی۔

☆☆☆

جب "کلوزڈ" والی تختی باہر لٹکا رہی تھی اس وقت اس کی کار آ کر رکی۔ کل نام پڑھ کر اس نے ذہن نشین کر لیا تھا اور رات میں گوگل پر آدھا گھنٹہ لینڈر اور ڈیفینڈر کی ساری تفصیل چھاننے کے بعد بلڈی رچ کہہ کر فون بند، پٹخا تھا۔

"کیا مجھے بھی ڈنر نہیں ملے گا؟" باہر نکلتے ہوئے اس نے اونچی آواز میں پوچھا کہ فاصلہ زیادہ تھا۔

"مل تو جائے گا لیکن اچھا مہمان وہ ہے۔ جو میزبانوں کا بھی خیال رکھے۔"

"آٹھ نو بجے ڈنر کون کرتا ہے؟" وہ گاڑی لاک کر کے دروازے کے پاس آیا۔

"ریسٹ ہاؤس کے رولز وہاں لگے ہیں۔" اندر آتے ہوئے اس نے کاؤنٹر کی طرف انگلی اٹھائی۔

ہادی اس کے پیچھے آ کر دیوار کے پاس رک کر بلند آواز میں رولز پڑھنے لگا جس میں عشائیے کا وقت آٹھ سے نو بجے کے درمیان تھا۔ کاؤنٹر کے پیچھے کرسی سنبھالتے ہوئے اس نے ہادی کو تیکھی نظر سے گھورا۔

"یہاں چائے کا وقت درج نہیں ہے۔" اس نے پیچھے مڑ کر میز صاف کرتے ہوئے سونو کو دیکھا۔

"ریسٹ ہاؤس والوں کو چائے کبھی بھی مل سکتی ہے سر۔" سونو نے خوشی خوشی اس کی معلومات بڑھائی۔

"گڈ۔ تو پھر لے آؤ چائے۔" وہ کسی میز پر جا کر بیٹھنے کے بجائے کاؤنٹر پر کہنی ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے ایک گائیڈ کی ضرورت ہے۔" اس نے کاؤنٹر کا پھیلاوا سمیٹتی شمی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"گائیڈ؟" اس نے پل بھر رک کر تعجب سے دیکھا۔ "یہ اتنا بڑا علاقہ نہیں ہے نہ یہاں ایسا کچھ ہے

PKDAILYINFO.COM

Watermarkly CS CamScanner

URDU NOVELS MAG

جو گائیڈ ہی جانتا اور بتا سکتا ہو۔"

"تمہارا مطلب ہے، کوئی بھی عام انسان گائیڈ بن سکتا ہے، جیسے تم۔"

"اس کا مطلب، ایک عام انسان بنا گائیڈ کے یہ جگہ گھوم سکتا ہے۔" اس نے دانت پیسے۔

"اور پلیز!" اگلے ہی پل وہ شروع ہوتا اس سے پہلے ہی اس نے ہاتھ روک کر بے زاری سے تنبیہ کی۔

"عام کا مطلب ہے نارمل، صحیح الدماغ، ہر کوئی بھی شخص۔ ویسے خاص کوئی نہیں ہوتا یہ دماغوں کا خلل ہے بس، کبھی اپنے دماغ کا تو کبھی دوسروں کے دماغ کا۔"

"عام اور خاص پر، عام اور خاص کی گفتگو پھر کبھی، ابھی امپارٹنٹ ایشو گائیڈ ہے، میں یہاں فوٹو گرافی کے لیے آیا ہوں، کوئی مجھے یہاں کی ایسی جگہیں بتانے والا ہو جو نیا بندہ نہیں ڈھونڈ سکتا۔" تب ہی سونو چائے لے کر آیا۔

"باجی! سب ہو گیا ہے، کوئی کام ہے تو بتا دیں ورنہ ہم نکل رہے ہیں۔" روز کے مقابلے میں آج سب جلدی سمٹ گیا تھا۔

"ان کے لیے گائیڈ بن سکتے ہو؟ صبح صبح انہیں یہاں کی اچھی اچھی جگہیں گھمانا۔" اس نے سونو سے پوچھا۔ کچھ پیسے اسے مل جاتے تو اس کا بھلا ہی ہونا تھا۔ وہ اسے یہ کام مفت میں تو کرنے نہ دیتی۔

"یہاں کا گائیڈ آپ سے اچھا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ اور دانیہ دیدی پتا نہیں کہاں کہاں گھومتی رہتی تھیں۔"

"نہیں کرنا ہے تو بھاگو یہاں سے۔" سونو کی بیان کردہ اضافی معلومات پر اس نے اسے وہاں سے بھگا دیا مگر اب ہادی جواب طلب نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اُف [illegible] سے اکتائے ہوئے حتمی لہجے [illegible] کر کچن بورڈ کے باری باری پنکھے اور بتیاں بجھانے لگی۔ کاؤنٹر کے اوپر والی بتی بجھانے سے پہلے پلٹ کر دیکھا تو وہ کپ ہونٹوں سے لگائے چائے پی رہا تھا۔ وہ اسے جلتا چھوڑ کر داخلی دروازہ بند کرنے آگے بڑھ گئی۔

ہادی کی نگاہیں اسی پر تھیں۔ باہر کا شٹر مرمری جالی والی دیواروں پر تھا جو جبار بھائی گراتے تھے اور دروازہ اندر سے بند ہوتا تھا۔

"یہاں اتنی جلدی رات ہو جاتی ہے۔" اس نے دور بستی کو دیکھتے ہوئے کہا جہاں روشنیاں گم ہونے لگی تھیں۔

"کیوں کہ یہاں دن بھی جلدی نکلتا ہے۔ ساڑھے چھ سات بجے تک بچہ بچہ جاگ جاتا ہے۔"

"اچھا۔" اس نے خالی کپ کاؤنٹر پر رکھا اور ریسٹ ہاؤس کی طرف چلا گیا۔ شمی پلٹی تو اسے نہ پا کر حیران ہوئی۔

"عجیب ہے۔" وہ بڑبڑاتی خود بھی گھر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

وہ صبح چہل قدمی کے لیے نکلی تھی۔ باری باری آس پاس کی سہیلیاں بیاہ کر دوسرے شہروں کو پیاری ہو گئیں تو اسے لگتا تھا کیسے جیے گی۔ ان کے علاوہ اور کوئی وقت گزاری کا ذریعہ نہیں تھا۔ مطالعے کا اسے شوق نہیں تھا۔ ٹی وی میں بھی پہلے جیسی دلچسپی نہیں بچی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اسے اپنی تنہائی اور لمبی اور طویل چہل قدمی میں مزہ آنے لگا تھا۔ اس سے پہلے اسے یہاں موجود خوبصورتی کا بھی احساس نہیں تھا۔ تنہا ہوتے ہی وہ اب تک نظر انداز ہو رہی باتوں اور چیزوں کو محسوس کر کے ان کے مزے لینے لگی تھی۔ ریستوران کی مصروفیت، ملازمین اور آنی کے ساتھ باتیں ہنسی مذاق اور یہ چہل قدمیاں، وہ اپنی زندگی سے مطمئن تھی۔

پیچھے سے بھاگتے قدموں کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ سیاہ سویٹ شرٹ اور ٹریک پینٹ میں وہی اس کی طرف آ رہا تھا، اس کی تنہائی کا دشمن۔

"یہ زبردستی نہیں؟" اس نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے اطمینان سے ایک لفظی جواب دیا۔ کیسے نہیں اور کیسے ہے کی وضاحت مطلب اب دن کا آغاز ہی غلط کرنا تھا۔ وہ ہونٹ سختی سے بھینچ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ صبح کی خوشگوار ہوا اور نکھری اور تازہ سی فضا میں وہ چپ چاپ ساتھ چلتے رہے۔ شاید اسی فضا کا اثر تھا کہ شمی زیادہ دیر منہ بند نہیں رکھ سکی۔

"کیمرہ کہاں ہے تمہارا؟"

ہادی نے جیب سے فون نکالا۔

"یہ......؟ اس سے فوٹو گرافی کرو گے؟"

"کیوں نہیں۔ فون کیمرہ فوٹو گرافی بھی ایک الگ فیلڈ ہے، ایکسپرٹس ہوتے ہیں ان کے بھی۔"

شمی نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"آج کچھ تصویریں کھینچ کر بتاتا ہوں تمہیں پھر کہنا، ویسے تم جا کہاں رہی ہو؟ اس لیک ویو پوائنٹ پر؟ وہاں کی فوٹوز میں لے چکا۔" وہ فون کھول کر اس میں محفوظ تصویریں نکالنے لگا۔

"یہ دیکھو۔" اس نے فون اس کی طرف بڑھایا۔ شمی نے فون لے لیا۔ واقعی مبہوت کرنے والی دلچسپ اور خوبصورت تصاویر تھیں۔ ایسی تصاویر جن کی نمائش کی جا سکتی تھی۔ وہ اس معاملے میں ہنر مند تھا۔

"اچھی ہیں۔" اس نے فون اسے واپس لوٹایا۔

"یہ تمہارا پروفیشن ہے؟"

"نہیں، شوق۔"

اس نے جواب میں، تو پھر پروفیشن کیا ہے، نہیں پوچھا۔ اور اس سوال کی توقع کر رہے ہادی نے اسے دیکھا۔ سفید اور ہلکا کاسنی دوپٹا مفلر کی طرح اس نے سر کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ پشت پر نم بال کھلے تھے جو اوپر ہیئر بینڈ میں قید تھے۔ صبح کے پرنور اجالے کا سایہ لیے اس سلونے چہرے پر کاجل بھری آنکھیں اور اس پر بے نیازی۔ وہ ایک الگ مزاج کی شہزادی تھی، اپنی مرضی کی مالک، خود میں گم اور انداز سے وہ لاپروائی جھلکتی تھی جیسے دنیا اس کی ٹھوکر میں ہو۔ اس کی مسلسل نظر پر شمی نے اس کی طرف دیکھا، اس نے نظر ہٹا لی۔

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

"شبیہ یعنی صورت، تصویر، شباہت۔" اسے یہ اسکول کے وقت سے رٹا ہوا تھا۔

"نائس۔" وہ پہلا نہیں تھا اکثر ہی یہ جان کر حیران ہوتے تھے۔

"کوئی اور خوبصورت سی جگہ بتاؤ جہاں میں فوٹو کھینچ سکوں۔"

"تمہیں کیا صرف قدرتی مناظر کی فوٹو گرافی ہی پسند ہے؟"

"ہمم۔"

وہ اسے چھوٹے سے تالاب تک لائی جو پورا مختلف رنگوں کے کنول سے بھرا تھا۔ گول گول سبز پتوں سے ڈھکے تالاب میں لمبی گردن نکالے ہر رنگ کے کنول اکڑ کر کھڑے تھے۔ ان کے بیچ کہیں کہیں سفید بگلے بھی تھے۔ یہاں کی بوقلمونی واقعی کیمرے میں قید کرنے لائق تھی۔

وہاں کوئی منڈیر تھی نہ بیٹھنے کی جگہ۔ وہ تصویریں لیتا رہا اور وہ دور کھڑی اسے تصویریں لیتا دیکھتی رہی۔ وہ چوڑے شانوں اور لمبے قد کا خوبرو بندہ تھا۔ اس کا حلیہ، انداز، اس کے استعمال میں موجود چیزیں، اس کی گاڑی سب اس کے انتہائی متمول ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ اس نے زیادہ تر اسے سوئیٹ شرٹ، جینز اور ٹریک پینٹس میں ہی دیکھا تھا۔ شاید یہاں کا موسم اس کے لیے سرد تھا۔ وہ اکثر کمرے کے باہر کرسی ڈالے یا ریستوران کی کسی خالی میز پر لیپ ٹاپ کھولے مصروف انداز میں اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ آنی سے باتیں کرتا یا کچھ وقت کے لیے گاڑی لے کر کہیں نکل جاتا تھا۔ ان کی نوک جھونک کے علاوہ وہ باقیوں سے تہذیب و تمیز سے پیش آتا تھا اور شاید اسی لیے آنی کا اتنا پسندیدہ بھی تھا۔

PKDAILYINFO.COM
CamScanner

URDU NOVELS MAG

ان کے یہاں یوں اتنے دنوں تک کوئی پہلی بار ٹھہرا تھا ورنہ زیادہ سے زیادہ ایک دن یا رات گزار کر لوگ چلے جاتے تھے۔ جب وہ اسے سوچنے لگتی تو ایک امیر کبیر نوجوان کے اس جگہ پر اتنے دن قیام کی وجہ اسے سمجھ میں نہ آتی۔ وہ فوٹو گرافی اس کی وجہ کہہ رہا تھا لیکن گرد و نواح میں اس سے دل کش اور حسین نظارے موجود تھے۔ کچھ کلومیٹر کے فاصلوں پر مشہور ساحل تھے، ہل اسٹیشنز اور جھرنے تھے، وہ چھوڑ کر اس عام سی جگہ میں دلچسپی اسے ہضم نہیں ہوتی تھی۔ اگر یہی وجہ تھی بھی تو اسے ایک دو دن کے بعد چلے جانا چاہیے تھا۔

اس کی نظریں محسوس کر کے ہادی نے اسے دیکھا۔

"دکھاؤ تو کچھ فوٹوز۔" اس نے شرمندہ ہونے کے بجائے فرمائش کی۔

وہ فون لیے اس کے پاس چلا آیا۔ واپسی میں بھی وہ رک رک کر تصویریں بناتا رہا تھا۔

"شاید یہ جگہ اسے کچھ زیادہ ہی پسند آ گئی ہے۔" اس نے سوچا۔

☆☆☆

وہ اگلے دن سے ہی آنی کے ساتھ روز ہی بازار جانے لگا تھا۔ آنی بھی مسلسل اس سے باتیں کرتی رہتیں۔ وہ دیکھ رہی تھی، وہ اسے پسند کرنے لگی ہیں۔ کبھی کبھی اسے لگتا وہ جان بوجھ کر ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے، خود کو یوں پیش کرتا ہے کہ وہ اس سے متاثر ہوں۔ وہ تاک میں رہتی کہ کوئی ایسی بات اس کے ہاتھ لگے جو آنی کو سمجھانے کے کام آ سکے کہ اس سے اتنا بے تکلف نہ ہوں۔

مختصر سی بات تھی کہ اسے اس کے اتنا "اچھا" ہونے پر یقین نہیں تھا اور کیوں وہ اس کے اچھا ہونے کو قبول کرنے سے کترا رہی تھی، یہ اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ کسی ایک بات یا چیز پر ہاتھ نہیں رکھ پا رہی تھی کہ یہ اس کی بے اعتباری کی وجہ ہے۔

[illegible] جانے [illegible] ہر ماہ شیمپو، صابن، تیل، کریمیں جیسی ذاتی چیزوں کی خریداری اسی کے ذمہ تھے۔

"ایک بار چیک کر لیں کچھ رہ تو نہیں گیا۔" اس نے فون میں لکھی فہرست آنی کے سامنے کرتے ہوئے دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی۔ آنی نے فون ہاتھ میں لے کر دیکھا۔

"ٹھیک ہے اور تو کچھ یاد نہیں آ رہا۔"

"کچھ یاد آئے تو میسج کر دیں۔" وہ فون پرس میں رکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"کیا کہہ رہی تھی میں؟" انہوں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے ہادی سے پوچھا۔

"مستری بڑا نکما تھا۔"

"ہاں......"

"کیا ضرورت ہے اسے سب سنانے کی؟" باہر نکلتے ہوئے اس نے کوفت سے سوچا۔

وہ راستے میں ان ہی خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ ہارن کی آواز پر چونکی تو دیر ہو چکی تھی۔ رکشا اس سے ٹکرا چکا تھا۔

"آنی...... آنی......!" رفیق پیچھے سے بھاگتا ہوا آیا۔

"دھیرے بیٹا...... کیوں اتنا......"

"باجی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" اس نے فقرہ بھی مکمل نہ ہونے دیا۔

"ہا...... کیا کہہ رہے ہو......؟" وہ ہراساں سی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ابھی تو گئی ہے وہ باہر، مارکیٹ تک بھی نہیں پہنچی ہو گی۔"

"راستے میں ہوا ہے میرے دوست نے دیکھا، اسی نے فون کیا مجھے۔"

"یا اللہ!" آنی کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے تھے پھر بھی انہوں نے خود کو سنبھالا۔

"بھابھی سے کہو یہاں بیٹھیں...... کہاں بتایا اس نے......" وہ جانے تیار تھیں۔

"ہم چلتے ہیں۔" ہادی ان سے پہلے باہر نکل کر کار کی طرف بڑھ گیا تھا۔ آنی شمی کو فون لگانے لگیں۔ اس کا فون سوئچ آف آ رہا تھا۔ ان پر گھبراہٹ سوار ہونے لگی۔

"یا اللہ! میری بچی کو اپنی امان میں رکھ، کچھ نہ ہونے دینا اسے۔"

رفیق حادثے والی جگہ کا پوچھنے کے لیے اسی دوست کو فون لگا رہا تھا لیکن ادھر فون اٹھایا ہی نہیں گیا۔ آنی اور ہادی پورا راستہ چھانتے ہوئے بازار تک پہنچ گئے لیکن وہ ملی نہیں۔

آنی اب مخبوط الحواس سی رونے لگی تھیں کہ گھر سے افروز نے فون پر اطلاع دی شمی گھر آ گئی ہے۔

وہ کار دوڑا کر گھر پہنچے۔

آنی گرتی پڑتی ہال کا دروازہ کھول کر اندر آئیں تو وہ جو کرسی پر بیٹھی تھی، کھڑی ہو گئی۔

"کیسے ایکسیڈنٹ ہوا...... ٹھیک تو ہو تم...... کہاں چوٹ لگی ہے......؟" وہ اس کے ہاتھ بازو اور چہرہ ٹٹولتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں آنی! یہ بے وقوف رفیق نے سب کو پریشان کر دیا۔"

"یہ......" اس کے بازو پر لمبی سی کھروچ نما خراش تھی۔ "اور کہاں لگی ہے چوٹ؟" وہ اب جھک کر اس کے پیر دیکھنے لگیں۔

"آنی!" شمی نے انہیں شانوں سے تھاما۔

"میں ٹھیک ہوں، گر گئی تھی زمین پر تو یہ تھوڑے سے نشان ہیں بس۔" انہوں نے اسے گلے لگایا۔

"تمہیں نہیں اندازہ شمی! میری جان ہی جا رہی تھی۔" وہ رو رہی تھیں۔ یہ تشکر کے آنسو تھے۔

"ایکسیڈنٹ سن کر کیسے برے برے خیال آ رہے تھے مجھے، تم میری سانسیں اور دھڑکن ہو بیٹا! اپنا خیال رکھا کرو۔ آنی سے تمہاری ذرا سی تکلیف برداشت نہیں ہوتی ہے۔"

دروازے میں کھڑا ہادی پلٹ گیا۔ باہر ہی افروز مل گئیں۔

"آپ بھی ان کی محبت پر حیران ہیں؟" وہ اس کی صورت دیکھ کر مسکرائیں حالانکہ وہ اس وقت حیران نہیں بلکہ کسی اور ہی احساس میں گھرا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ریستوراں میں کاؤنٹر تک آ گئے۔

"عائشہ یعنی آنی دراصل شمی کی خالہ ہے۔ شمی کی ماں شکل صورت میں اپنی ماں اور بہن سے مختلف تھی، اس نے حسن اپنی دادی اور پھوپھو کا چرایا تھا۔ صف اول کے حسن کے ساتھ اس کے خواب بھی بہت اونچے تھے۔ وہ اپنے آپ میں گم رہنے والی لڑکی تھی اس لیے سب اسے پسند کرتے تھے لیکن یہ تو بعد میں پتا چلا کہ خود میں گم رہنا غرور کا حصہ تھا۔ وہ اپنے علاوہ کسی کا سوچتی تھی نہ پروا کرتی تھی۔ اسے پڑھنے کے لیے شہر سے باہر جانا تھا لیکن بڑے ابا نے اپنے بھتیجے سے شادی کر دی۔

نصیب کی بات کہ کچھ مہینے میں ہی اچانک ایک دن شوہر دل کا دورہ پڑنے پر فوت ہو گیا۔ اس وقت وہ امید سے تھی۔ شمی کی پیدائش کے بعد اس نے شہر کے کالج میں داخلہ لے لیا اور یہیں سے اس کی مرضی اور ہٹ دھرمی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے گھر والوں کی باتیں، ان کی مرضی، ان کے جذبات کسی کو گنتی میں نہیں رکھا۔ پڑھائی ہوئی تو نوکری کے لیے دوسرے شہر چلی گئی، جلد ہی اس کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں اور افواہیں گردش کرنے لگیں، بڑے ابا نے باز پرس کرنے اور کچھ پابندیاں لگانے کی کوشش کی تو وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔

بڑے ابا کو بہت دکھ ہوا۔ وہ بالکل ٹوٹ گئے لیکن آنی اور شمی کے لیے خود کو سنبھالا۔ بعد میں انہوں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اسے سمجھا بجھا کر گھر لے آئیں لیکن اب وہ آزاد پنچھی تھی۔ روک ٹوک اور پابندیاں تو اسے پہلے بھی پسند نہیں تھیں تو خود مختار ہونے کے بعد کیوں کسی کی سنتی۔ بڑے ابا کے بعد تو اس نے کبھی ملنے کی بھی کوشش نہیں کی، نہ یہاں آئی نہ کوئی فون کیا۔ وہ تو ماں کی میت پر بھی نہیں آئی تھی۔ ماں باپ اولاد کا زخم لیے دکھی اور شرمندہ ہی چلے

PKDAILYINFO.COM

Watermarkly CamScanner

گئے۔

انہوں نے ذرا رک کر دم لیا پھر گویا ہوئیں۔

"شائستہ کے رویے کی وجہ سے پہلے ہی بڑے ابا اور ان کے بھائی کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اور اس کے گھر چھوڑ کر جانے کے بعد تو انہوں نے سب کچھ ختم کر لیا، رابطے تک ختم کر ڈالے، شمی کو پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ اپنوں کا یہ بدلا روپ دیکھ کر بڑے ابا نے اپنے طور پر بیٹی اور نواسی دونوں کو معاشی طور پر مضبوط کرنے اور کسی کا محتاج نہ رکھنے کی سعی کی۔ وہ چاہ رہے تھے جلد آنی کی شادی کر دیں اور آنی کی شرط شمی کو اپنے ساتھ رکھنے کی تھی۔ ایسا کوئی رشتہ اور خاندان مل پاتا اس سے پہلے ہی بڑے ابا چل بسے۔ نئے لوگ تو ان دونوں کو سگی ماں بیٹی سمجھتے ہیں اور سچ بھی ہے ان میں ویسا ہی پیار اور لگاؤ ہے جیسے آنی نے اسے جنم دیا ہو۔ ایک ہی ماں باپ کی بیٹیاں ایسی نیک اور بد نکلیں لیکن پھر آنی نے شمی کی ایسی پرورش کی کہ وہ اسی کا پرتو بن گئی۔"

وہ یوں مٹھی ہونٹوں پر رکھے بیٹھا تھا کہ افروز کو لگا اسے شدید دھچکا لگا ہے۔

"جنہیں علم نہیں وہ یوں ہی شاکڈ ہو جاتے ہیں۔" انہوں نے سر ہلایا۔ تب ہی وہاں کھانے سے فارغ ہوئے مسافر آ گئے تو وہ کاؤنٹر سے ہٹ گیا۔ آنی اور شمی ابھی تک باہر نہیں آئی تھیں۔

اس کے پیر میں ہلکی موچ آئی تھی اور دائیں ہاتھ پر خراشیں تھیں۔ ہلکی سی موچ آنی کے ٹوٹکوں کے بعد ٹھیک ہو گئی۔ رکشا ڈرائیور نے بروقت بریک لگا لیا تھا پھر بھی وہ اس کے ٹکرانے کی وجہ سے زمین پر گر گئی تھی۔ اکھڑی سڑک اور پتھروں کی وجہ سے خراشیں آئی تھیں۔ تماش بینوں نے کچھ اسے سنایا کچھ رکشا والے کو اور اپنی راہ ہو لیے تھے۔ وہ بھی لنگڑاتے ہوئے اپنا کام کر کے رکشا سے گھر آ گئی تھی اس بات سے بے خبر کہ "ایکسیڈنٹ" کی اطلاع سے وہاں کیا آفت ٹوٹی ہے۔

... کے بعد باہر چلا گیا تھا۔

واپس لوٹا تو وہ اپنے ہال کے دروازے کے آگے چبوترے پر بیٹھی تھی۔ سامنے پانی کا گلاس اور نمکین مونگ پھلی رکھی تھی۔

"زیادہ چوٹ لگی ہے۔؟" وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے اس کے پاس چلا آیا۔

"نہیں، رفیق کے دوست نے خواہ مخواہ ایشو بنا دیا۔" آنی نے اسے بتایا تھا، وہ کس طرح ان کے ساتھ خوار ہوا تھا۔

اس کی ہتھیلی کی پشت پر خراشیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ وہیں کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔

"کافی لگا تو ہے۔" اس نے انگلی سے اشارہ کیا۔

"زیادہ نہیں ہے، ٹھیک ہو جائے گا کچھ دن میں۔" اس نے ہتھیلی پر دوپٹا ڈالا۔ کچھ دیر دونوں چپ رہے۔ اس نے پلیٹ اٹھا کر ہادی کو مونگ پھلی کے دانے پیش کیے۔

"نارملی ایسے وقت ہاتھ میں چائے یا کافی کا مگ ہونا چاہیے، فرسٹ ٹائم تمہیں ہی پی نٹ اور پانی کے ساتھ دیکھا ہے۔" اس نے دو دانے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"چائے مجھے پسند نہیں، کافی دن میں کبھی کبھار پی لیتی ہوں لیکن رات میں قطعی نہیں کہ پھر ڈھنگ سے نیند نہیں آتی اور صبح وقت پر فریش جاگنا ضروری ہوتا ہے۔"

"تم اس دنیا کی مائینرٹی ہو جسے چائے کافی سے رغبت نہیں۔"

"شاید لیکن میں نے دیکھا ہے، تم بہت چائے پیتے ہو۔"

"مجھے کافی سے زیادہ چائے پسند ہے۔" ہادی کی بات پر اس نے بغور اسے دیکھا۔ اس نے تو دیکھا اور سنا تھا کہ اس طبقے کے لوگ کافی ہی پیتے ہیں۔

"آنی کافی پریشان ہو گئی تھیں۔"

"وہی، تو جانے کون گدھا دوست تھا رفیق کا، آدھی ادھوری بات سنا کر غائب ہو گیا۔ میرا فون ہاتھ سے گرا تو بند ہو گیا تھا اور میں نے بھی گھر پہنچ کر دیکھا۔"

چھوٹی سی پیشانی پر کچھ افسوس کی سلوٹیں اور کچھ غصے کی لکیریں ابھری تھیں۔ دن بھر کی تھکن اس کے چہرے پر بکھری تھی۔ سیاہ بالوں کو خود میں جکڑے رکھنے والا کیچر بھی جیسے نڈھال تھا اور شرارتی بچوں کی طرح چند لٹیں اس قید سے نکل کر گردن پر جھول رہی تھیں کچھ نکل کر گالوں پر پھسلنے کے فراق میں تھیں۔ بٹے مٹے سے کاجل والی آنکھوں میں نیند پر پھیلا رہی تھی۔ اس سے پہلے بھی کسی نے اس شدت سے اسے اپنی جانب نہیں کھینچا تھا جیسے یہ سلونی اور بے نیاز سی لڑکی کھینچتی تھی۔

"ویسے تھینک یو تمہارا بھی۔" وہ اسے دیکھ کر بولی تو ہادی کو نگاہ ہٹانا پڑی۔

"تم تھے تو آنی کو کافی ڈھارس تھی۔"

"ہمم۔" وہ بند لبوں سے مسکرایا۔

"آنی اور میری مما میں کافی سیمیلیریٹیز (مماثلتیں) ہیں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"سو جاؤ، صبح جلدی اور فریش جاگنا ہوتا ہے تمہیں، گڈ نائٹ۔" وہ کہہ کر چلا گیا۔

شمی نے اسے کمرہ کھولتے، اندر جا کر دروازہ بند کرتے، اندر کمرے کی بتی جلنے اور پھر بتی بند ہونے تک دیکھا تھا۔

"اتنا برا بھی نہیں جتنا میں نے مان لیا تھا۔" اٹھنے سے پہلے اس نے سوچا تھا۔

آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔ ہادی پیچھے سے اندر آ رہا تھا کہ ریستوران کا داخلی دروازہ وہ بند کر چکی تھی۔

"تمہارے جیسے گیسٹ کے لیے ریسٹ ہاؤس میں کرفیو بھی ہونا چاہیے، اس کے بعد آؤ تو سزا!" وہ پچھلے ہفتے کی سبزی، گوشت اور دیگر سامان کے سارے بل دیکھ دیکھ کر اخراجات والے رجسٹر میں لکھ رہی تھی۔

"پھر باہر بورڈ پر ہاسٹل بھی لکھ دینا، کرفیو ہی کرفیو ہوگا۔"

"اللہ نہ کرے!" اسے یہ مذاق بھی اچھا نہیں لگا۔

"کرفیو بس تمہارے جیسے گیسٹ کے لیے جو شکر ہے، کم ہی آتے ہیں۔" اس کی نظریں اور ہاتھ مسلسل متحرک تھے۔

"میں بھی نہ آتا اگر ضروری کام نہ ہوتا۔"

"کام......" اس نے لمبا کھینچا۔ "دن بھر فون ہاتھ میں لیے ٹائم پاس کرتے ہو، کام کی بات بتا رہی ہوں ذہن نشین کر لو، اسے کام نہیں کہتے۔"

"میں یہاں کچھ چھیننے، کچھ لینے آیا ہوں۔"

"کس سے؟" اس کا مصروف انداز اب بھی نہیں بدلا تھا۔

"تم سے۔"

"اچھا۔" وہ نظر اٹھاتی تو اس کی سرخ آنکھیں، سپاٹ چہرہ دیکھ پاتی۔

"ہائی وے ہر یک چھینو گے یا میری جان لو گے؟" پین سے روشنائی نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے ہاتھ دور کر کے زور زور سے دو تین بار جھٹکا اور پھر لکھنے لگی۔

"تمہارے لیے زیادہ دردناک کیا ہوگا؟"

"تھکے! بنا ہوم ورک کے ہی نکل پڑے۔" اس نے ناک چڑھاتے ہوئے صفحہ پلٹا۔

"تمہارا سب کچھ چھین لوں تو تم یونہی جان سے جاؤ گی۔"

"اور تم قتل سے بچ جاؤ گے، نائس پلان!" اس نے متاثر ہو کر سر ہلایا۔

"ایسا ہوا تو تم خود کو بچانے کے لیے کیا کرو گی؟" ہادی کی نظر اس پر جمی تھی۔

"ہاہاہا...... میں بے وقوف نہیں، اپنے دفاعی پلان تمہیں کیوں بتاؤں؟"

اس کا انداز شوخ تھا۔ رجسٹر بند کر کے وہ نیچے بیٹھ گئی۔ کاؤنٹر کے نیچے پٹ والے خانے تھے۔ اس نے رجسٹر درمیان والے خانے میں رکھا۔ وہاں

PKDAILYINFO.COM
CamScanner

چیزیں بکھری تھیں، وہ انہیں ترتیب سے رکھنے لگی۔

"میں نے تمہیں وارن کر دیا ہے بعد میں مت کہنا، پیچھے سے وار کیا، دھوکا دیا۔"

"لو کے، فیئر پلے ایوارڈ ابھی سے تمہارا۔" اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا۔

جب وہ پٹ بند کر کے کھڑی ہوئی تو ہادی وہاں نہیں تھا۔

"یہاں کی آب و ہوا کا الٹا اثر ہو رہا ہے اس پر تو۔" اس نے ایک بار پورے کمرے اور کاؤنٹر کا جائزہ لیا اور بتی بجھا کر اندر چلی گئی۔

☆☆☆

وہ کاؤنٹر کے دوسری طرف بیٹھا آنی سے ریسٹ ہاؤس اور ریستوران کی تاریخ سن رہا تھا۔ وہ اس سے کبھی اپنی بہن یا شمی کی ماں کا ذکر نہیں کرتی تھیں اور اس نے بھی کبھی نہیں پوچھا۔ ان کی باتوں میں شمی کے لیے بے انتہا پیار اور مان ہوتا تھا۔ ان کے سارے خواب، خوشی اور کامیابی کی تعریفیں شمی سے جڑی تھیں۔

آج دانیہ کی بہن کی منگنی تھی۔ وہ دونوں ایک ساتھ نہیں جا سکتی تھیں۔ کسی ایک کا وہاں موجود ہونا ضروری ہوتا تھا۔ اس لیے وہ اکیلی ہی جا رہی تھی۔ تیار ہو کر ادھر آئی تو ان دونوں کو یوں باتیں کرتا دیکھ ٹھٹک گئی۔ ہادی کے متعلق اس کی اولین رائے میں ذرا لچک ضرور آئی تھی لیکن آنی کا ایک اجنبی کو سب کچھ سنا دینا اسے اب بھی بے آرام کرتا تھا۔

"تم تیار نہیں ہوئیں اب تک؟" اسے دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا۔ وہ موقعے کی مناسبت سے ہلکے سرمئی جوڑے میں ملبوس تھی، جس پر سیاہ اور سلور کام تھا، کان میں گردن کو چھوتے لمبے سیاہ آویزے تھے۔ وہ اسے بہت پیاری لگی لیکن مسکارا، لپ اسٹک کے بعد بھی ہادی کو کمی محسوس ہوئی۔

"ہو گئی ہوں، دراز میں میرا کاجل ہے دے دیں، ادھر والا ختم ہو گیا ہے، دوسرا یہاں دراز میں رہ گیا تھا۔" [illegible] اور کاجل اچھا نہیں لگتا تھا۔

"یہ ہی!" ہادی کے دل نے نعرہ لگایا۔

آنی نے دراز کھول کر کاجل کاؤنٹر پر رکھا اور وہ لڑھکا، اسی وقت ہادی بھی کھڑا ہو کر باہر جانے لگا۔ کاجل فرش پر گرا، شمی کی چیخ سے پہلے ہی وہ اس پر پیر رکھ چکا تھا۔ اس کی دردناک آواز پر وہاں موجود مسافر بھی ادھر دیکھنے لگے تھے۔

اس نے مٹھیاں بھینچ کر خود کو اسے پیٹنے سے روکا۔ ہادی نے گھبرا کر پیر اٹھایا لیکن جوتے کے نیچے سیاہی ہی سیاہی پھیلی تھی۔

"میں بنا کاجل کے کیسے جاؤں؟" شمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کوئی بات نہیں بیٹا، دوسرا لگا لو۔" آنی نے پچکارا۔

"یہی ایک بچا تھا آنی اور نہیں ہے۔" اس نے شعلہ بار آنکھوں سے ہادی کو دیکھا۔

"سوری، رئیلی سوری۔"

"میرے پاؤچ میں ہے، وہ لگا لو۔" وہ بھی کاجل سے اس کی انسیت جانتی تھیں۔ اسے کوئی اور بھاتا ہی نہیں تھا۔ وہ روہانسی ہی پلٹ گئی۔ جو فی الحال اسی سے کام چلانا مجبوری تھی۔ آنی نے شاہد کو آواز دے کر وہ جگہ صاف کرنے کو کہا۔ ہادی نے نیچے بیٹھ کر برینڈ یا نام دیکھنے کی کوشش کی مگر اسٹک کے گرد کا نازک پلاسٹک کور جوتے کے نیچے کرچی کرچی ہو چکا تھا۔ اس نے سب سے بڑا ٹکڑا اٹھایا۔

"رہنے دو بیٹا، شاہد اٹھا کر صاف کر دے گا۔"

"جی۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ آنی کا کاجل لگا کر آئی تھی۔ ہادی جا چکا تھا۔

"ماشاء اللہ!" انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"یہ بھی جچ رہا ہے، موڈ درست کر کے جاؤ بیٹا۔" اس کا منہ اب بھی پھولا تھا۔ وہ زبردستی مسکرائی۔

اگلے دن اسے شاپنگ ویب سائٹ سے پارسل موصول ہوا۔ وہ حیران کہ اس نے تو کچھ نہیں منگوایا تھا۔ کھولا تو اس میں مختلف الانواع کے کاجل تھے۔

"حق ہا!" وہ ڈبہ لیے اس کے کمرے تک پہنچی اور دروازے پر دستک دی۔ ہادی نے دروازہ کھولا اور اس نے ڈبہ سامنے کیا۔

"مجھے تمہارے برینڈ کا نام سمجھا نہیں اس لیے جو اویلیبل (دستیاب) تھے سب آرڈر کر دیے، تمہارا والا ہے اس میں؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اوہ سوری! تم ہی بتا دو تو وہ بھی آرڈر کر دوں۔"

"اس کی ضرورت نہیں، اتنی ساری "سوریاں" کافی ہیں۔" اس نے انگلی سے ڈبے کے اندر اشارہ کیا۔

"لیکن یہ "سوریاں" تمہارے کام کی نہیں، کیا نام تھا؟"

"کام کی نہیں تو تم یہ سب واپس کر دو گے؟"

اس نے ڈبہ نیچے کیا کنجوس بلڈی رچ! آخری تین الفاظ اس نے دل میں کہے۔

"نہیں سوری واپس نہیں ہوتی۔" وہ مسکرایا۔

"ویسے اس کی ضرورت نہیں تھی......"

"ضرورت تھی، کاجل انوینٹ ہی تمہاری آنکھوں کے لیے ہوا ہے۔" اس کی بے اختیاری بھی اور اس بے اختیاری سے دل میں مچے طوفان پر شمی کی حیرانی۔

"آئی مین، اس کے بنا تمہیں کبھی دیکھا نہیں۔" وہ سنبھلا اور شمی بھی۔

"میں نے اسی دن منگنی سے واپسی میں لے لیا تھا، پھر بھی تھینک یو۔"

"ویلکم۔" وہ دونوں اچانک فارمل ہو گئے تھے۔ شمی واپس آ گئی اور ہادی نے دروازہ بند کر لیا۔ وہ سست قدموں سے پلنگ پر بیٹھا جہاں لیپ ٹاپ کھولے وہ کام کر رہا تھا لیکن اب کام کا دل نہیں تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کیا اور آنکھ پر کلائی رکھ کے لیٹ گیا۔

شمی بڑی دیر سینے پر ہاتھ رکھے ڈبے کو دیکھتی رہی پھر اسے سب سے نچلی دراز میں رکھ دیا۔

☆☆☆

وہ ابھی ریستوران سے کچھ دور تھی کہ دروازے سے باہر نکلتے آدمی کو دیکھ کر رک گئی۔ وہ سردار شیخ کا بیٹا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ کر چلا گیا تب دروازے میں آنی نمودار ہوئیں۔ کار کے پیچھے اڑتی دھول سے نظر ہٹاتے ہوئے وہ پلٹ رہی تھیں کہ نظر شمی پر پڑی۔ وہ انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔ پردہ داری کا بھرم ٹوٹ گیا تھا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے چل کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئیں۔ شمی اندر آ کر تیزی سے ان کے پاس پہنچی۔

"اب بھی نہیں بتائیں گی؟"

"رات میں بات کرتے ہیں۔" اس وقت وہاں آٹھ دس افراد پر مشتمل ایک فیملی موجود تھی۔ سونو شاہد رفیق بے حد مصروف تھے۔ انہیں بھی کام تھا۔

وہ کمرے میں آ گئی۔ مغرب پڑھ کر وہ باہر جاتی تب انہیں اندر آ کر نماز پڑھنے کا موقع ملتا تھا۔ وہ باہر آئی تب آسما تائی برتن دھو رہی تھیں۔ سونو، شاہد اور رفیق گاہکوں کے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کاؤنٹر کے پیچھے کرسی پر بیٹھ گئی۔ آنی نماز سے فارغ ہو کر آئیں تو اس سے مزید صبر نہیں ہوا اس نے وہیں ان سے پوچھا اور آنی نے بتا دیا۔

سردار شیخ بہت نیک فطرت انسان تھے۔ جب ریستوران بنانے کا سوچا تو ان کے پاس اتنے روپے نہیں تھے۔ وہ بینک سے قرض نہیں لینا چاہتی تھیں۔ یہ انہوں نے اپنے والدین سے سیکھا تھا اور ان کی تاکید بھی تھی کہ زندگی میں سود لینے اور دینے دونوں سے بچنا۔ اس وقت پرانے وقتوں کے لوگ ہی کام آئے تھے۔ محی الدین نے خود سردار شیخ سے بات کی۔ وہ اس شہر میں مالی طور پر ہی نہیں دل کے بھی سب

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
CamScanner

سے امیر تھے۔ انہوں نے آٹھ لاکھ بنا کسی سود کے انہیں ادھار دیے تھے کہ یہ ان کے لیے معمولی رقم تھی۔ لوٹانے کی شرط یہی تھی کہ آہستہ آہستہ جیسے سہولت ہو وہ انہیں واپس کریں۔ آنی ہر ماہ انہیں کچھ رقم واپس کرتی تھیں۔ پچھلے دو سال سے وہ بیمار تھے لیکن چھ ماہ قبل فالج کے بعد وہ بستر کے ہو گئے تھے۔ ان کا بیٹا ان جیسا دل کا امیر نہیں تھا۔ اسے چند دنوں میں ہی پوری رقم ہر حال میں واپس چاہیے تھی۔

"اب وہ چاہتا ہے کہ ہم پانچ لاکھ میں ہائی وے بریک، اسے دے دیں اور سچ کہوں تو ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں ہے۔"

"آنی!" وہ اس خیال سے زیادہ ان کی رضا مندی پر ششدر رہ گئی۔

"ہم کیسے دے دیں وہ بھی اتنی کم قیمت میں؟"

"ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے بیٹا۔"

"جب کوئی راستہ نہیں بچا تب تو ہم بینک سے......"

"نہیں بیٹا، ہم اتنے مجبور نہیں ہمارے پاس ریسٹ ہاؤس اب بھی ہے۔"

"لیکن آنی......"

"بیٹا سردار چاچا نے مشکل میں مدد کی تھی وہ بھی کسی شرط اور وقت کی قید کے بنا، اس دور میں ایسا خلوص اور بھروسا ناپید ہے۔ انہوں نے جو کیا وہ تقریباً ناممکن تھا۔ ان کے احسان کا بدلہ یہ ہی ہوگا کہ اب تقاضے کی صورت میں ہم فوراً انہیں واپس کر دیں۔ ریسٹ ہاؤس ہے، اگر وہ بالکل نہ چلا تو ہم کچھ کمرے کرایے سے دے دیں گے۔ ہاں جبار بھائی، بھابھی اور باقیوں کے بارے میں سوچنا ہوگا۔"

"آنی آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ مقصود جو اماؤنٹ کہہ رہا ہے وہ اصل قیمت سے بہت کم ہے۔"

"ہم قرض واپس کرنے میں بہت لیٹ بھی تو ہو گئے ہیں وہ اس کا بھی ذکر کرتا ہے کہ اس رقم کو ان سالوں تک کہیں بزنس میں لگاتا تو اسے کتنا منافع ملتا تھا۔"

"معاہدہ سردار شیخ اور آپ میں ہوا تھا یہ......"

"شمی، ہم لیٹ اور وسائل سے خالی ہیں۔"

"ایسا بھی نہیں ہے۔" اسے ان کا یوں ہتھیار ڈالنا اچھا نہیں لگا۔

"اس نے ایک مہینے کا وقت دیا تھا دس دن ہو چکے باقی دنوں میں کوئی معجزہ ہو جائے تو یہ الگ بات ہے ورنہ میں نے سوچ لیا ہے ہائی وے بریک اسے دے دیں گے۔"

"بیس دن۔" اس کا ذہن اس وقت میں کہاں اور کیسے ہاتھ پیر مارے جائیں۔ یہ سوچنے لگا تو ہوٹلوں نے ان سے ریسٹ ہاؤس کا کاروبار چھین لیا تھا لیکن ہائی وے بریک کے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ وہاں ایک دو نئے ریستوران کھلنے کے بعد بھی سب سے زیادہ ہائی وے بریک چلتا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ مقصود کا مقصد بھی ایک چلتے کاروبار کو حاصل کرنا تھا ورنہ چار لاکھ اس کے لیے اتنے اہم نہیں تھے کہ اس طرح وصول کیے جاتے۔ وہ وہ اچھی طرح جانتا تھا ان دونوں کا اور کوئی سہارا آسرا نہیں ہے جو اس وقت ان کی مدد کو آگے آئے گا یا اس بات پر مقصود کو آئینہ دکھائے گا۔

☆☆☆

باہر ہی ڈاکیے نے اسے ڈاک پکڑا دی تھی۔ اندر کاؤنٹر پر وہ بیٹھی تھی۔ ہادی دوسری طرف رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا اور ڈاک اس کے سامنے رکھی۔

"باہر پوسٹ مین نے دیے ہیں۔"

"چائے۔" اس نے اشارے سے شاہد سے کہا جو فوراً تعمیل کرنے بھاگا۔

"وہ تینوں ہی اس کے فین ہو گئے تھے۔ رات میں گھر جانے سے پہلے موبائل میں اس کی کھینچی تصویریں ضرور دیکھتے تھے۔ وہ بھی کبھی انہیں کار میں بازار لے جا کر کولڈ ڈرنکس تو کبھی آئس کریم کی پارٹی کرواتا تھا۔ تینوں ہی اسکول کے بعد تعلیم چھوڑ چکے تھے اور انتہائی غریب تھے۔

"اس دور میں کون اب بھی بلس یوز کرتا ہے؟" اسے پھر رجسٹر میں لکھتے دیکھ کر اس نے کہا۔

"ہم۔"

"کمپیوٹر کیوں یوز نہیں کرتے؟"

"آنی کو اسی کی عادت تھی اور اب مجھے بھی۔" اس نے رجسٹر بند کر کے ایک طرف رکھا۔

"جس فرصت سے تم یہاں جم کر بیٹھے ہو، لگتا نہیں کوئی کام دھندا کرتے ہو۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر گویا ہوئی۔

"میں ایجوکیٹڈ بلڈی رچ ہوں۔" ہادی کے جواب پر مارے حیرت کے اس کا منہ کھل گیا جسے اس نے فوراً ہاتھ سے ڈھانپا۔

اس نے دماغ پر زور دیا کہ کب اس سے ایسی بڑا احتیاطی ہوئی جو اس نے سن لیا مگر کچھ یاد نہ آیا۔ اس نے کچھ مشکوک اور کچھ الجھے انداز میں اسے گھورا۔

"کبھی کبھی تمہاری بڑبڑاہٹ کافی بلند آواز میں ہوتی ہے۔" وہ بڑے انداز میں محظوظ ہو رہا تھا۔

"ویسے میرا اندازہ درست ہے۔" وہ ڈھیٹ بنی۔

"لیکن یہی بات اندازے کے اظہار کے لیے استعمال ہوئے الفاظ کے لیے نہیں کہی جا سکتی۔" وہ اسے شرمندہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"اندازے کا اظہار غصے میں ہو تو یہ بالکل مناسب الفاظ ہیں۔" وہ شرمندہ تھی بھی تو اس کے سامنے کبھی ظاہر نہ کرتی۔

اس کا فون بجنے لگا تو وہ سامنے رکھی ڈاک کی طرف متوجہ ہوئی۔ ہادی نے فون اٹھانے کے بجائے سائلنٹ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ بجلی کا بل دیکھتے ہوئے اس نے گھورا۔

"سپیم کالز!" اس نے صفائی دی۔ شمی نے بل ایک طرف رکھ کر نیچے سے لفافہ اٹھایا اور دیکھے بنا ہی کنارا پھاڑتے ہوئے کھولا تب ہی رفیق وہاں آیا۔

"باجی وہ ٹیبل نمبر تھری والے آپ کو بلا رہے ہیں۔"

وہ لفافہ یونہی چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی گئی۔

لفافے پر نظر پڑی تو وہ چونکا اور شمی کی سمت دیکھا جو مہمانوں سے بات کر رہی تھی۔ اس نے اندر کا کاغذ کھینچا اور دو تین لائنز پڑھنے کے بعد ہی اسے جیب میں ڈال لیا۔ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس نے لفافہ ایک طرف رکھے رجسٹروں کے درمیان چھپا دیا۔

شاہد چائے لے کر آیا تو وہ اس سے کپ لے کر کمرے میں چلا گیا۔ مسافروں کو آس پاس کے ساحلوں کے متعلق معلومات چاہیے تھی۔ وہ ان سے فارغ ہو کر واپس آئی تو ہادی وہاں نہیں تھا۔ اس نے بقیہ ڈاک سرسری دیکھ کر دراز میں ڈال دی۔

☆☆☆

وہ شہر کے بازار میں درزی کے پاس سے اپنے اور آنی کے کپڑے لینے آئی تھی۔ کندھے سے گرتا پرس سنبھال کر، تھیلی دوسرے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس نے دائیں طرف دیکھا اور مقصود کو دیکھ کر اعصاب تن گئے۔ تیزی سے آگے بڑھنے لگی تھی کہ اس کے سامنے کھڑے ہادی کو دیکھ کر جیسے قدم اٹھانا بھول گئی۔ وہ دونوں کسی بحث میں الجھے تھے۔ کوئی اہم موضوع زیر بحث تھا۔

"یہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟" اس نے اچنبھے سے سوچا۔

"ایسی کیا بات ہے؟" ان کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ تناؤ بھی تھا۔

وہ کچھ دیر ٹھہر کر آگے بڑھ گئی۔ مسلسل سوچتے ہوئے اس ملاقات کا جواز جو اسے سمجھ آیا وہ اس کا پارہ آسمان تک چڑھا گیا۔

ہادی بازار سے نکل کر ریسٹ ہاؤس کی طرف جانے والے قدرے سنسان راستے کی طرف مڑا ہی تھا کہ سامنے کھڑی شمی کی وجہ سے اچانک بریک لگانا پڑا۔ وہ اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتی دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے تاثرات اس کے باخبر ہونے کو آشکار کر گئے تھے۔ اسٹیئرنگ ویل پر ہادی کی گرفت سخت ہو گئی۔ وہ اسی لمحے سے بچنا چاہتا

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
CamScanner

تھا۔ اس نے دعا کی تھی کہ وہ اپنا مقصد پورا کر کے چلا جائے اوران کے بیچ یہ لمحہ نہ آئے۔

''تمہیں مقصود سے کیا کام ہے؟ کیسے جانتے ہو اسے؟'' نشست سنبھال کر زور سے دروازہ بند کرنے کے بعد وہ اس کی سمت گھومی۔

''کیوں ہماری زندگی میں مداخلت کر رہے ہو؟'' اس کا سننے یا اسے بولنے کا موقع دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''ہمیں کسی احسان کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے مسائل سے نمٹنے کا حوصلہ اور عقل ہے ہمارے پاس، تم امیر ہو تو ہیرو بننے کی کوشش نہ کرو نہ ہماری طرف سے کسی سے ملنے یا التجا کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے ایسی ہمدردیاں نہیں پسند جو مجبور اور بے بس ہونے کا احساس دلائیں، ہم اکیلی ہیں مگر اتنی بھی لاچار نہیں، آج تک سب خود ہی سنبھالا ہے۔ اس لیے تم مقصود اور اس معاملے سے دور رہو۔'' ہادی دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے اسٹیئرنگ کو ہی دیکھ رہا تھا وہ پلٹ کر دروازہ کھولنے لگی تھی کہ نظر ڈیش بورڈ پر رکھی فائل پر پڑی اور اس نے جھپٹ کر اٹھالی۔ ہادی نے فوراً اس سے فائل واپس لینا چاہی لیکن اس نے دی نہیں۔ وہ اتنی تیاری کر چکا تھا کہ کاغذات بھی تیار کروالیے تھے۔ مگر کون سے اور کیسے وہ فائل کھولتی اس سے پہلے اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ گرا۔

''شائستہ جبیں۔'' ہادی کی آواز انتہائی سرد تھی۔ اتنی کہ آس پاس سب چٹخنے لگا۔ اسے لگا زلزلہ آیا ہے اور یکایک زمین میں بنے شگافوں سے آگ کی لپٹیں نکل رہی ہیں۔

اللہ کے پاس صرف اپنے برے عمل کا جہنم جھیلنا ہے لیکن دنیا میں دوسروں کے اعمال کا دوزخ بھی ہمارے حصے میں آتا، خاص طور پر اگر وہ دوسرا جنم دینے والی ماں ہو۔

''میں نے پہلے کہا تھا بعد میں مت کہنا پیچھے سے وار کیا۔'' شی کو وہ چہرہ اجنبی لگا، پہلی ملاقات سے زیادہ اجنبی، ابھی تو وہ مانوس ہوئی تھی اتنی مانوس کہ......

''شائستہ جبیں کا کیا رشتہ تھا ہادی سے......''

اس کا چہرہ اور آواز چیخ چیخ کر ایک تعلق بتا رہے تھے، نفرت اور حقارت کا تعلق۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے فائل کو مضبوطی سے پکڑا اور دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ وہ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا اس کے خود کے کہے الفاظ اسے اس قدر ذلیل کریں گے۔ کچھ دیر پہلے آئے زلزلے میں آگ میں لپٹے قہقہے تھے، مذاق اڑاتے قہقہے جواب بھی اس کے چاروں طرف گونج رہے تھے۔ آگ سے زیادہ اذیت اور جلن ان قہقہوں میں تھی۔

یہ نام، یہ داغ، کاش کاش وہ زندگی سے نکال سکتی! اس نے کبھی اس ہستی کو خود سے منسوب نہیں کیا تھا لیکن دنیا اور لوگ بھولتے کہاں ہیں۔ وہ آپی کی بیٹی تھی۔ آپی اس کی ماں لیکن کچھ حقیقتیں پتھر پہ کھنچی لکیر ہوتی ہیں جو پتھر کے فنا ہونے کے بعد ہی فنا ہوتی ہیں۔ اور ابھی اس کا نیست و نابود ہونا باقی تھا۔

وہ سڑک کے کنارے ہی بیٹھ گئی۔ اسے ہادی کے الفاظ یاد آئے جسے اس نے مذاق سمجھا تھا مگر وہ کہہ رہا تھا۔ وہ اس سے پوچھنے آیا تھا۔ اسے شائستہ جبیں کے نام پر مرجانا چاہیے تھا۔ اپنی غلط فہمی پر۔ اس کی زندگی کا ایک ہی دکھ، ایک ہی پچھتاوا تھا کہ وہ شائستہ کی بیٹی کیوں ہے اور اب ایک اور ویسا ہی شدید دکھ اور پچھتاوا اس کے دل سے لپٹا تھا، اس نے ایسا کیوں سمجھا؟ وہ سب کیوں کہا؟ وہ اتنی شرمندہ تھی کہ اسی وقت فنا ہو جانا چاہتی تھی۔

کاش وہ غلط فہمی میں مبتلا رہتی۔ اسے روکتی نہ کچھ کہتی! کاش یہ ان دیکھی آگ اسے بھی راکھ کردے! اس کی عقل اور سمجھ نے اس سے وہ کروایا تھا جس کے لیے اسے زندہ دیواروں میں چنوا دینا چاہیے تھا۔

ایک ہی وقت میں دوہری ذلت اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ وہ نہ کھڑے ہونے کے قابل تھی نہ گھر

تک پہنچنے کے۔

دل اسی لمحے میں مرجانے مٹ جانے کی خواہش کرتی وہ بالکل سن ہوتی چلی گئی۔ اس کی سوچ اتنی جارح اور شدید ہوتی جارہی تھی کہ اس کا نظام دفاعی موڈ میں چلا گیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے فائل کھولی۔ وہ اس کی ماں کا اعمال نامہ تھا۔ اخبار کے تیسرے چوتھے صفحے کی جرائم کی خبروں کے تراشے اور کچھ کمپیوٹر پرنٹ آؤٹس تھیں۔ وہ سب دھوکا دہی، فراڈ اور لوٹ کی خبریں تھیں۔ مختلف شہروں اور علاقوں کی الگ الگ خبروں کا خلاصہ پرنٹ آؤٹس میں درج تھا۔ ان سب جرائم کے پیچھے ایک ہی منظم گروہ تھا جو معصوم افراد کا بھروسا جیتنے کے بعد ان کا روپیہ پیسہ لوٹ کر انہیں کنگال کر دیتا تھا۔ اس گروہ کے ارکان میں اس کی ماں کا نام بھی تھا۔

مختلف خبروں میں دو عورتوں اور چار مردوں کی الگ الگ دھندلی سی تصویریں تھیں۔ اس نے بھی افواہیں اور باتیں سن رکھی تھیں کہ اس کی ماں غلط صحبت اور غلط کام میں ملوث ہوگئی ہے۔ لیکن وہ غلط کام یہ ہوگا اسے کہاں علم تھا۔ اسے یاد آیا کہ کچھ دن پہلے دو تین آدمی شائستہ جبیں کا پوچھتے ہوئے ان کے گھر آئے تھے۔ بہت دیر تک وہ آپی سے مختلف سوالات کرتے رہے تھے۔ آپی اس کے بعد بہت نڈھال اور دکھی سی تھیں۔ اس کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ وہ تفتیشی ایجنسی کے لوگ تھے جنہیں شائستہ جبیں کی تلاش تھی۔ اب اسے ہادی کی آمد، قیام اور مقصود سے اس کی ملاقات سب سمجھ میں آگیا تھا۔

وہ سارے سوال جو اس کے اندر اٹھتے رہے تھے یونہی نہیں تھے۔ آج اسے ان سب کے جواب مل گئے تھے۔

☆☆☆

ہادی ریسٹ ہاؤس جانے کے بجائے لیک پوائنٹ پہنچ گیا تھا۔ وہ کسی نیک ارادے سے یہاں نہیں آیا تھا، ریسٹ ہاؤس میں قیام کے وقت اس کے دل میں ان دونوں کے لیے کوئی اچھا جذبہ نہیں تھا، تب ان کے ساتھ ہنس کر مسکرا کر بات کرتے ہوئے وہ منافقت کا اظہار کرتا تھا مگر اتنا برا اسے شائستہ کی سچائی جاننے کے بعد بھی نہیں لگا تھا جتنا اب لگ رہا تھا۔

اسے افسوس تھا کہ فائل اس نے وہاں کیوں رکھ چھوڑی تھی۔ اگر وہ شی کے ہاتھ نہ لگتی تو اسے اب بھی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنا کام کر کے خاموشی سے چلا جانا چاہتا تھا۔ یہ اچانک تبدیلی اس سچائی کا ثبوت تھی جو ان کے درمیان حائل تھی۔ حائل رہنا تھی۔

وہ رات دس بجے کے بعد ریسٹ ہاؤس پہنچا تھا۔ گاڑی ایک طرف لگا کر وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اتنی دیر ہوگئی تھی پھر بھی دروازہ اندر سے مقفل نہیں تھا۔ اسے امید تھی وہ ادھر ہی اس کے انتظار میں بیٹھی ہوگی لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ سائبان کے بعد والا حصہ عبور کر کے ریسٹ ہاؤس کے سامنے پہنچا تو کمرے کے باہر اس کا سامان رکھا تھا اور قریب ہی ہاتھ باندھے شی کھڑی تھی۔ اس نے کچھ کہنے بغیر اس کے بازو سے گزر کر اپنی چابی سے دروازہ کھولا۔

''چیک کرلو، اندر کچھ نہیں ہے۔ سب یہاں رکھا ہے، اٹھاؤ اور نکلو۔'' وہ پیچھے مڑی۔

ہادی نے دروازہ پورا کھولا اور اپنا سامان اٹھایا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر وہ چوکھٹ پر دونوں ہاتھ رکھے دروازے کے بیچ کھڑی ہوگئی۔

''اس کھلی دشمنی کے بعد بھی تمہیں لگتا ہے میں تمہیں یہاں رہنے دوں گی؟''

''مالک تم نہیں ہو۔'' وہ اس کے برعکس بہت شانت تھا۔

''پھر بھی اتنا اختیار رکھتی ہوں کہ تمہیں یہاں سے نکال دوں۔''

''کوشش کرلی، اب ہٹو۔'' وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

''دشمنی نبھالی۔ اب دوستی نبھاؤ، مقصود اور اس کا

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
CamScanner

ہوٹل ہی تمہارے لائق ہے۔"
"میرے لیے اتنا نہ سوچو، مجھے زیادہ علم ہے میرے لائق کیا ہے کیا نہیں۔" اب کے وہ ذرا سا مسکرایا۔ انہیں خیال نہیں رہا کہ ان کی آوازیں اونچی ہوگئی ہیں۔ پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز پر دونوں چونکے۔
"کیا ہو رہا ہے یہاں؟" نیند سے جاگی آنی کی حیران کن آواز میں تشویش تھی۔ سامنے کا منظر دیکھ کر وہ ہول گئی تھیں۔ شمی چوکھٹ سے ہاتھ ہٹا کر وہاں سے دور ہوئی۔ وہ جب تک ممکن تھا یہ بات ان سے چھپانا چاہتی تھی اور اب اس سے زیادہ ممکن نہیں رہا تھا۔
"یہ کوئی عام مہمان نہیں ہے آنی۔" وہ ان کے قریب جا کر کھڑی ہوگئی۔
"ہیں؟" آنی کی خاک سمجھ میں آیا۔
"یہ حضرت، مقصود سے ملے ہوئے ہیں۔" اس نے دل پر پتھر رکھ کر کہا۔ ان کا کہا، اچھا لڑکا ہے۔ اسے یاد تھا۔ ہادی بیگ وہیں چھوڑ کر ان کے پاس آیا۔
"آپ صبح تک انتظار کریں تو میں آپ کو اپنا موقف اور ارادہ بتاؤں۔" وہ آنی سے یوں مخاطب جیسے وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔
"کیسا ارادہ؟" ان کی ساری نیند ہوا ہوگئی تھی۔
"آنی! اس کی باتوں میں نہ آئیں اور اسے ابھی یہاں سے جانے کا کہیں۔"
"نہ بیٹا ایسی آدھی رات کو مہمان کو باہر نہیں کرتے۔"
"یہ مہمان نہیں ہے۔" وہ جھنجلا گئی۔
"آپ کہیں گی تو میں ابھی چلا جاؤں گا۔"
انہوں نے باری باری دونوں کی غیر معمولی شکلیں دیکھیں۔
"کوئی کہیں نہیں جا رہا، ہم صبح بات کریں گے۔"
"نہیں آنی......" وہ بے قراری ان کے سامنے آئی۔ "کوئی بات نہیں کرنی نہ سننی۔ اب اس لڑکے کی یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کسی صورت اسے وہاں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔
"آنی!" اس کی ضد توڑنے کا یہ ہی واحد ذریعہ تھا۔ "میں آپ کا ریسٹورنٹ گیارہ لاکھ میں خریدنا چاہتا ہوں۔"
شمی کو جھٹکا لگا۔ "بلڈی رچ!" اس نے منہ تو سے بند کیا لیکن دل میں گالی دی تھی۔
"آپ چاہیں تو یہ سارا پروسیس کل ہی شروع ہو سکتا ہے۔ آپ مقصود کو اس کی رقم لوٹانے کے بعد......"
"تمہاری خیرات نہیں چاہیے ہمیں۔" اس کی بدتمیزی پر آنی کھٹکیں۔ بات صرف اتنی نہیں تھی۔
"یہ ان دونوں کی ملی بھگت ہے آنی۔ مقصود نے پہلے ہی کم قیمت بتائی اور یہ اس سے کچھ زیادہ تا کہ ہر حال میں یہ جگہ انہیں مل جائے۔"
"لیکن ہادی ایسا کیوں کرنے لگا؟" ان کی جانچتی نظریں شمی پر ٹکی تھیں۔
"شائستہ جبیں۔" شمی نے کہا اور آنی نے شمی کو پکڑا۔ شمی نے قہر آلود نظر ہادی پر ڈالتے ہوئے انہیں سنبھالا۔
"یہ ان کا بدلہ ہے۔"
"تو...... تو تم اس معمولی سی جگہ کو کیوں خرید رہے ہو؟ ہمارا اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔" وہ اب زیادہ حیران تھیں۔
"کم ظرفوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ کوڑی کے داموں میں ہماری آمدنی کا واحد ذریعہ ہم سے چھن جانے کے بعد ہمارے پاس ریسٹ ہاؤس کو فروخت کرنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہوگا، اس کے بعد ہم مفلس اور بے گھر ہو جائیں گے کل کو یہ مکان بھی ہم سے اسی طرح چھین لیا جائے گا، ان کا کرم کہ ایک جھٹکے میں نہیں دھیرے دھیرے مار کر ہماری موت کا تماشہ دیکھا جائے گا۔ بات پیسوں کی نہیں ہمیں برباد کرنے کی ہے اور ہائی وے بریک اس کی ابتداء ہے۔ انتقام میں انصاف کون دیکھتا ہے۔"
وہ رونا نہیں چاہتی تھی لیکن اس وقت آواز بھرا گئی تھی۔
کچھ دیر کے لیے وہ تینوں خاموش تھے۔
"تم کمرے میں جاؤ صبح بات کریں گے۔" آنی کی آواز میں جیسے آس پاس کے سارے ٹیلوں اور نالابوں کا بوجھ تھا۔ وہ اس کا ہاتھ ہٹا کر اندر کی طرف بڑھیں۔
"خود کو یوں دکھی نہ کرو، یہ خود ساختہ سوچیں، تصور اور الزام کمزور ایمان اور کمزور دل والے کرتے ہیں اور میں نے تمہیں کمزور نہیں بنایا ہے، ہے نا؟" وہ ان کے گلے لگ کر آواز سے رونے لگی۔
باہر کھڑا ہادی فائل لیے واپس پلٹ گیا۔
کچھ دیر نانا نانی اور بچپن کی باتیں کرنے کے بعد آنی سو گئیں لیکن اسے نیند کیسے آتی۔ اس وقت بھی اس کا دل کر رہا تھا ہادی کے کمرے میں جا کر اسے وہاں سے نکال دے۔ وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ یوں ہار نہیں مان سکتی تھی نہ اتنی آسانی سے دھوکا کھا سکتی تھی۔ اب جب کہ وقت سے پہلے ہی وہ اس کا منصوبہ اور ارادہ جان گئی تھی تو اس پر واجب تھا آخری سانس اور آخری حد تک اسے اس کے مقصد میں ناکام کرنے کی کوشش اور جدوجہد کرتی۔ سائبان میں آ کر ٹہلتے ہوئے اسے یہ سب چھن جانے کا احساس رلا گیا۔ ان دونوں کے علاوہ جبار بھائی، افروز، آتھا نانی، سونو شاہد اور رفیق کے بھی رزق اور جذبات بھی اس جگہ سے جڑے تھے۔ سارا کھیل پیسوں کا تھا جو اس کے پاس نہیں تھے اور ہادی کے پاس بے حساب تھے۔
"بلڈی رچ! ٹھیک ہی گالی ہے یہ اس کے لیے۔" اس نے سوچا۔
کہیں سے وہ مقصود کا قرض لوٹا سکتی تو آنی نے بھی اسے بیچنے کا خیال دل سے نکال دینا تھا۔ سب سے اہم وہ اسے جیتنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ کسی خیال کے تحت اس نے رجسٹر کھولا اور مطلوبہ چیز دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکنے لگی۔ بہت دور کا خیال تھا، تبسم بھی لیکن کوشش کرنا وہ خود پر فرض کر چکی تھی۔
صبح آنی فجر کے وقت جاگی تو اسے نہ پا کر انہیں لگا اپنا ذہن بٹانے کھلی ہوا میں کہیں پاس ہی گئی ہوگی لیکن جب ایک گھنٹہ بعد بھی وہ نہیں لوٹی تو انہیں فکر ہوئی۔ اس کا فون لگایا جو بند تھا۔ اب ان پر گھبراہٹ سوار ہونے لگی۔ وہ آگے سائبان میں آئیں۔ جبار بھائی یا محی الدین کے بیٹے کو فون کرنے کا سوچ رہی تھیں کہ کاؤنٹر پر نظر پڑی۔ خاص انہیں نظر آ جائے، شمی نے ایسے وہ چٹ رکھی تھی۔
"میں ہائی وے بریک کو بچانے کی آخری کوشش کے لیے جا رہی ہوں۔ دعا کریں، کامیاب لوٹوں۔ فون بند ہے تا کہ آپ مجھے روکنے اور واپس بلانے کی بے کار ضد نہ کریں۔ آج شام یا کل تک واپس آ جاؤں گی۔"
نیچے اس کا نام لکھا تھا۔
انہوں نے سر تھاما اور اسٹول پر بیٹھ گئیں۔
"یا اللہ! کہاں گئی اب یہ لڑکی؟ کون ہے اس دنیا میں ہمارا جس سے مدد مانگی جا سکتی ہے، کیا بنک گئی ہے؟ یا نہیں شائستہ کا تو پتا تک نہیں معلوم کسی کو، اس کے پاس کیسے جا سکتی ہے؟" انہوں نے پھر فون لگایا لیکن بے سود۔
"ضرور دانیہ کے یہاں گئی ہوگی۔" وہی ایک جگہ انہیں سمجھ میں آئی۔ وہ خود تو سفید پوش تھی لیکن اس کے سسرالی رشتے داروں میں پیسے والے موجود تھے۔
آٹھ بجے ہادی فائل لیے ان کے سامنے موجود تھا۔ اس نے شمی کا نہیں پوچھا۔ اچھا ہی تھا اس کی غیر موجودگی میں وہ آنی سے بات کر لے۔
"آنی......!" اس نے پہلے شائستہ جبیں اور اپنے بارے میں انہیں سارا سچ سنایا۔
"میں یہاں ان کی تلاش میں ہی آیا تھا پھر یہ جگہ اتنی اچھی لگی کہ تفریح کے لیے رک گیا۔ لیکن ہائی وے بریک خریدنے کے پیچھے کوئی غلط اور بری منشاء نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں آپ کا اس سارے معاملے میں کوئی رول نہ قصور۔ یہ آپ کے اور میرے

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
CamScanner

دونوں کے لیے فائدے کا سودا ہے۔ مقصود محض پانچ لاکھ میں یہ جگہ اور ریسٹورنٹ خریدنا چاہتا ہے جو اس کی اصل قیمت سے بہت کم ہے۔ میرا اس جگہ کے لیے کچھ اور منصوبہ ہے۔ میرے لیے یہ سڑک کے قریب کی جگہ اہم ہے۔ میں اپنا نقصان نہیں کروں گا نہ ہی چاہتا ہوں آپ کا نقصان ہو۔ اس لیے اس جگہ کی اصل قیمت یعنی گیارہ لاکھ میں یہ لینے کے لیے تیار ہوں۔ آپ اگر راضی ہیں تو میں نے سب کاغذات اور فارمیلٹیز پوری کر لی ہیں۔ آپ کو بس میرے ساتھ چل کر دستخط کرنے ہیں۔" اس نے دو چار فائلیں سامنے رکھی تھیں۔

"بیٹا! تم یہاں تفریح کے لیے رکے تھے یا جگہ خریدنے؟"

"آنٹی! میں بزنس مین ہوں۔ جب اور جہاں فائدے مند چیز نظر آ جائے میں اسے بزنس کے نقطہ نظر سے دیکھتا اور پرکھتا ہوں۔" خیر سے جھوٹ تو وہ ابتدا سے ہی کہہ رہا تھا۔

"تفریح کے دوران یہ بھی ایک ایسی ہی ڈیل ہے۔"

"اللہ نے تمہیں ہمارے لیے مدد کا فرشتہ بنا کر بھیجا ہے بیٹا۔ میں تیار ہوں، چلو۔"

اس نے ان سے سب سچ کہہ دیا تھا اتنا ہی ان کے بھروسے کے لیے کافی تھا۔ وہ مقصود کو دینے کا ارادہ کر چکی تھیں تو ہادی کو دینا اس فیصلے سے بہتر فیصلہ تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ہادی کو ان کی معصومیت اور بھولپن نادم کر گئے تھے۔

☆☆☆

سفر کی اسے عادت نہیں تھی کجا ایک انجانے شہر کا اتنا لمبا سفر۔ منزل پر پہنچنے تک اس کا حال بے حال تھا۔ بکھرے بال، سوکھے ہونٹ، شکن زدہ ملگجے کپڑے اور تھکن زدہ چہرہ۔ مطلوبہ پتے پر پہنچنے سے پہلے اس نے منہ دھو کر بکھرے بال ہاتھ سے ہی سنوار لیے تھے۔ وہ کہیں آتی جاتی نہیں تھی تو اس کا پرس بھی ایمرجنسی میں لگنے والی لوازمات سے خالی ہو رہا تھا۔ اس میں ایک کنگھا تک نہیں تھا۔

سارا راستہ وہ سوچتی آئی تھی کہ کیسے اور کیا کہنا ہے۔ اسے صرف ایک جملہ کہ آنٹی اور میری مما مس کافی سیملیریٹیز ہیں اور آخر تک کوشش کرنے والا اپنا مزاج یہاں کھینچ لایا تھا۔ ان سب میں ہادی کو شکست دینے کی ضد بھی شامل تھی۔

فائل پڑھ کر اتنا وہ جان گئی تھی کہ اس کی ماں کا شکار ہادی کا خاندان نہیں ہوا تھا کیوں کہ خبروں میں اس کے والدین یا اس کا نام نہیں تھا۔ وہ ضرور اس کا کوئی قریبی عزیز تھا، کوئی بہت پیارا جس کے لیے وہ اس حد تک جانے تیار تھا۔

اس کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ وہاں اسے سنا جائے گا کیونکہ اس کے ساتھ زیادتی اور دھوکا ہوا ہے اور وہ سب ان کے سگے نے کیا ہے۔ تخیل میں وہ سر اٹھا کر اپنی بات کہہ رہی تھی۔ تب اسے اپنی ماں، اس کے کرتوت اور اس سے اپنا رشتہ اتنا اہم نہیں لگ رہا تھا۔ لیکن بنگلہ دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔

ان کی امارت نے اس لمحے اسے مرعوب کر دیا تھا۔ اسے لگا اسے یہاں سے بھگا دیا جائے گا۔ جانے کیوں اس دفعہ وہ نخوت سے بلڈنگ، رچ، نہ کہہ سکی۔

"یہ امیر مغرور لوگ میری سنیں گے بھی؟ اور کیوں سنیں؟ ملیں گے بھی نہیں وہ مجھ سے۔" اس نے پوری شدت سے اللہ کو پکارا اور اطلاعی گھنٹی بجائی۔ گیٹ کی ذرا سی کھڑکی کھلی اور چوکیدار کا چہرہ نظر آیا۔

"کس سے ملنا ہے؟ کیا کام ہے؟" اس کا حلیہ دیکھ کر چوکیدار نے اسے معزز نہیں جانا۔

"عبدالاحد سر سے ملنا ہے۔"

"وہ انڈیا سے باہر گئے ہیں۔" اس نے کھٹ سے کھڑکی بند کر دی۔ شمی نے پھر اطلاعی گھنٹی بجائی۔ اب کے اس نے جھنجھلا کر کھڑکی کھولی۔ شمی نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"تمیز سے پوری بات سن لیں۔" اس نے لہجہ سخت کیا۔

"اس وقت گھر میں جو بھی موجود ہیں، مجھے ان سے ملنا ہے۔ میں عبدالہادی کی فرینڈ ہوں۔" اس کا انداز چوکیدار کو بھایا نہیں۔ وہ کچھ کہتا اس سے پہلے پیچھے سے نسوانی آواز آئی۔

"کون ہے؟"

چوکیدار ادب سے پیچھے مڑا۔

"ہادی سر کی فرینڈ کہہ رہی ہیں خود کو اور......"

"بھیجو اندر۔"

"جی میم صاب۔" چوکیدار نے بغل والا چھوٹا گیٹ کھولا اور وہ اسے گھورتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

"لیفٹ سائیڈ والے دروازے سے۔" وہ اسے اندر جانے کا راستہ بتا رہا تھا اور وہ ان سنی کرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ لان کشادہ تھا جسے خوب اچھی طرح سنوارا گیا تھا۔ سرخ روش چند زینوں کے بعد پورچ پر ختم ہو رہی تھی۔ اس کے آگے شیشے کی دیوار اور دروازہ تھا۔ دروازے کے علاوہ باقی حصے پر پردے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ لاؤنج میں صوفے پر قدرے فربہی مائل ادھیڑ عمر کی خاتون بیٹھی تھیں۔ ان کا لباس اور خود پُروقار تھیں۔

"اس حقیقت کے باوجود بھی کسی کے عمل کی سزا اسے نہ دیتے ہوئے اس کے رشتے داروں کو دینا انصاف نہیں بلکہ انتقام کی بدترین شکل ہے اور آپ کا بیٹا یہ ہی کر رہا ہے۔ کسی کی غلطی ہماری ویسی ہی دوسری غلطی کرنے سے نیوٹرل یا جائز نہیں ہو جاتی۔ یقیناً آپ نے اسے یہ نہیں سکھایا ہوگا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دو، یہاں تو آنکھ بھی پرائی ہے۔"

انہوں نے شائستہ کو دیکھا تھا۔ اس میں اور سامنے کھڑی لڑکی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اتنا تو وہ بھی جانتی تھیں کہ شائستہ برسوں پہلے گھر، دار رشتے ناتے سب چھوڑ چکی ہے۔

ثمرہ چل کر اس کے قریب آئیں۔

"تم بیٹھو اور تفصیل سے بتاؤ، کیا بات ہے۔" انہوں نے ملازمہ کو آواز دے کر پانی لانے کو کہا۔

وہ یونہی جمی رہی۔ انہوں نے اسے پیچھے صوفے پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھ گئیں۔

"کوئی تفصیل نہیں ہے، آپ کا بیٹا ہمیں یعنی مجھے اور آنٹی کو ویسے ہی کنگال کرنا چاہتا ہے جیسے شائستہ جبیں نے لوگوں کو کیا ہے۔ ہم سے ہماری آمدنی کا واحد ذریعہ چھین کر وہ ہمیں سڑک پر دیکھنا چاہتا ہے۔"

"ہادی ایسا نہیں ہے۔" انہوں نے یقین سے کہا اور اسے آگ لگ گئی۔

"والدین اور بچوں کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ان کی عادتیں، مزاج اور طرز زندگی ایک سے نہیں ہوتے میں اور آپ کا بیٹا بھی اس کی مثال ہیں۔ نیک والدین کی اولاد نیک اور گناہ گار والدین کی بری ہی ہو ایسا کوئی قانون نہیں ہے۔" اس نے صحیح رگ پکڑی تھی۔

"کچھ غلط فہمی ہوگی بیٹا۔ وہ اپنے ماموں کے بہت قریب ہے، ان کے ساتھ ہوئے فراڈ پر اسے بہت غصہ تھا لیکن وہ کسی بے گناہ اور بے قصور کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا۔" ملازمہ پانی لے آئی تو ان کی بات رک گئی۔

"تم کہاں سے آئی ہو؟" انہوں نے پوچھا۔ گلاس خالی کر کے لوٹاتے ہوئے اس نے اپنے شہر اور ضلعے کا نام لیا تو وہ چونکیں۔

"اوہ! اتنا لمبا سفر کیا ہے۔" وہ کچھ دیر پرسوچ سی اسے دیکھتی رہیں۔

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"شمی، شمی اوصاف حسین۔"

"بیٹا شمی تم بہت دور سے آئی ہو تھکی ہوگی، فریش ہو جاؤ، کھانا کھاؤ ہم اس کے بعد بات کرتے ہیں۔"

"جی...... نہیں۔" وہ گڑبڑائی۔ وہ اس لیے تو نہیں آئی تھی یہاں۔ اسے جلد سے جلد اپنا مدعا بیان کرنا تھا اور ان کا جواب سن کر واپس جانا تھا۔

"تم مہمان ہو میری۔ میرا بیٹا ہم سب سے چھپا کر کیا کرتا پھر رہا ہے، مجھے بھی جاننا ہے، آؤ۔" وہ

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
CamScanner

کمرے میں ہوئیں اور اسے بھی اٹھنے کو کہا۔
"گھبراؤ نہیں، گھر میں اس وقت کوئی نہیں ہے۔ فاطمہ بھی اپنی بڑی بہن کے یہاں رکنے گئی ہے۔ تم پہلے فریش ہو جاؤ۔" وہ اس [illegible] سے جواب دینے کے بجائے کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے اسے ایک کمرے میں پہنچایا۔

"یہ تو یہ کا کمرہ ہے، وہ جب آتی تو یہیں سوتی ہے۔ تم آرام سے منہ ہاتھ دھو لو، چاہیے تو شاور لے لو اس کے کپڑے بھی تمہیں آ جائیں گے۔"

وہ الماری کھول کر اس کے لیے جوڑا نکالنے لگی تھیں اور تب ہی سامنے شیشے میں اپنا حلیہ دیکھ کر اس کی سمجھ میں آیا کہ وہ کیوں اسے نہانے، کپڑے تبدیل کرنے اور کھانے کا کہہ رہی ہے۔ وہ جگہ جگہ بس بدل کر ممبئی پہنچی تھی اور پھر اس مکان تک پہنچنے کی خواری الگ۔ سرتاپا وہ دھول مٹی میں اٹی تھی اور شکل سے فاقہ کش لگ رہی تھی۔ اس وقت شام کے سات بج رہے تھے۔

سارے سفر کے دوران کہیں رک کر کھانے کے بجائے دو تین جگہ سموسے اور سینڈوچ کھائے تھے۔

وہ کپڑے بستر پر رکھ کر باہر چلی گئیں۔ بڑے شش و پنج کے بعد اس نے نہا کر وہ لباس پہنا۔ اپنا جوڑا وہیں دھو کر جیسے تیسے پھیلا دیا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ بال بنا کر باہر نکلی تو میز پر ثمرہ اس کی منتظر تھیں۔ وہ سانولی پرکشش لڑکی کہیں سے بھی اپنی ماں جیسی نہیں تھی۔ اس کی سیاہ خوب صورت آنکھوں میں اس وقت کاجل کے ہلکے نشان بچے تھے۔ ان گہری آنکھوں میں بے پناہ مقناطیسیت تھی۔ ایک عورت کے فریب کے بعد بھی ان کا دل اس عورت کی بیٹی پر مکمل اعتبار کرنے تیار نہیں تھا مگر وہ اس سے ساری بات بھی سننا چاہتی تھی۔

"آؤ، کھانا کھا لو۔" اشتہا انگیز خوشبو اور کھانا دیکھ کر بھوک بھی چمک گئی تھی۔ وہ اپنے ندیدے پن اور مقصد سے ہٹ کر دوسرے کام کرنے پر خود کو ڈانٹ [illegible] تے ہی اسے یاد آیا۔

"کپڑے [illegible] میں لے لوں گی، رکھ دو [illegible]۔"

چائے لے کر آئی ملازمہ سے ثمرہ نے کپڑے پھیلانے کو کہا اور پوری طرح اس کی سمت متوجہ ہو گئیں۔

"ہادی نے تمہیں بتایا کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟"

"اس نے صرف نام لیا تھا اور اس کے پاس ان کے جرائم کی فائل تھی۔"

"دو سال پہلے شائستہ میرے چھوٹے بھائی یعقوب کے یہاں کام کرنے لگی تھی۔ اس نے خود کو نہایت نرم خو، آہستہ آواز میں بات کرنے والی، سلجھی اور اپنے کام سے کام رکھنے والی، ذمہ دار، ایماندار اور محنت کش عورت بنا کر پیش کیا۔ جس کے کاندھے پر اس کے سارے گھر کا بوجھ تھا۔ یعقوب پینٹر ہے، یہی اس کا شوق اور جنون ہے۔ ابو کی دکانیں اور مکان تھے جن کا کرایہ آتا تھا۔ امی ابو کی وفات کے بعد وہ اور میں ہی سب کے مالک ہیں۔ مجھے ضرورت نہیں پڑی نہ کبھی کہ اپنا حصہ الگ کروں یا مانگوں۔ وہ بازو میں ہی رہتا ہے۔" انہوں نے دائیں طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"یعقوب نے پسند سے منگنی کی تھی شادی سے پہلے سمیعہ کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اس نے شادی نہیں کی۔ اکیلا ہی رہتا ہے، اکثر ٹریول کرتا ہے۔ دھیرے دھیرے شائستہ نے اس کا اعتماد حاصل کیا۔ اللہ جانے اس کی نیت کیا تھی مگر یعقوب نے اس میں ذاتی دلچسپی نہیں لی البتہ بطور ملازم اسے بہت بڑی اور اہم ذمہ داریاں دے دیں۔ وہ بھی سب ایمان داری سے کرتی رہی، ایک پائی بھی ادھر سے ادھر نہ ہوئی۔ یعقوب کا بھروسا اس پر بڑھتے بڑھتے اندھا ہو گیا تھا۔ کچھ اس کی ست طبیعت اور دنیاداری کے جھمیلوں سے بے زاری بھی تھی کہ اس نے اپنے سارے

معاملات اس [illegible] وہ اس کی پینٹنگز [illegible] کام کرواتا تھا اور یعقوب کے معمولات [illegible] اس کا انتظام، پینٹنگ کی نمائش [illegible] کے اوقات یا اس کی اپنی نمائش وغیرہ کی [illegible] شامل تھے مگر رفتہ رفتہ اس نے معصومیت، ایمان داری اور [illegible] داری کا نقاب اوڑھ کر بڑی چالاکی سے اس کے فنانشل معاملات بھی اپنے نام کروا لیے تھے۔"

وہ جانتی تھی اس قصے کا انجام خوش گوار نہیں اور فی الحال یہ قصہ ہی اس کی مصیبت کی وجہ ہے لیکن سنے بنا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"وہ ماں کی سرجری کا بہانا کر کے ہفتے بھر کی چھٹی لے کر گئی تھی جب دس دن بعد بھی واپس نہیں آئی تو یعقوب نے فون لگایا اور بس یہیں سے سارا کھیل کھلنا شروع ہوا۔" وہ گہری سانس لے کر رک گئیں۔

"فون بند تھا کوئی اور رابطے کا ذریعہ نہ تھا۔ اس کا چھوٹا بھائی جو کبھی اس کے ساتھ گھر آتا تھا اس کا بھی پتا نہیں تھا۔ اس کا دیا ایڈریس جھوٹا تھا، بعد میں پتا چلا بھائی بھی اسی گروپ کا ممبر تھا۔

اصل آسمان تو اس وقت ٹوٹا جب یعقوب کو علم ہوا کہ تینوں دکانیں اور دونوں فلیٹ سیل ہو چکے ہیں۔ ابو کا چھوڑا کروڑوں کا سرمایہ وہ گنوا چکا ہے۔ اس نے جانے کب اور کیسے کن کن کاغذات پر اس سے سائن لے لیے تھے۔ پھر پولیس کمپلین ہوئی، تفتیش شروع ہوئی اور پتا چلا وہ اکیلی نہیں تھی۔ پانچ چھ افراد کا گروپ ہے جس کا یہی کام ہے۔ یعقوب ان کا پہلا شکار نہیں تھا لیکن اتنا بڑا ہاتھ انہوں نے پہلی بار مارا تھا۔ اللہ جانے کون کون ان کے ساتھ شامل تھا۔ مجھے تو لگتا ہے پولیس سے بھی کوئی ملا ہوا ہوگا ورنہ ہر بار بچ کیسے گئے۔

خیر آخر یہ کیس سی بی آئی کے حوالے ہوا ہے۔ اب ہم ان چھ افراد کی شکلیں جانتے ہیں، کہیں بھی نظر آتے ہی ان کی گرفتاری کے آرڈرز کے علاوہ اور کوئی پیش رفت اب بھی زیرو ہے۔

یعقوب کے لیے [illegible]

[illegible]

"اور اس [illegible]

ہے۔" اس نے بات [illegible] یقین اب اور پختہ ہو گیا تھا۔

"نہیں بیٹا! ہادی ایسا نہیں ہے۔" انہوں نے تیزی سے کہا اور ان کے چہرے پر [illegible] پھیل گیا۔

"اس پر ضد سوار تھی کہ وہ شائستہ کو تلاش کرے نہ کرے لیکن یعقوب کا پیسہ ضرور واپس دلائے گا۔ سب نے سمجھایا روکا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، ملنا ہوگا تو تفتیشی اداروں کے ذریعے مل جائے گا لیکن وہ دھن کا پکا ہے۔ کسی طرح اس نے معلوم کیا کہ شائستہ جس نے یہاں اپنا نام فائزہ بتایا تھا، [illegible] چھوڑ چکی ہے، اس گروپ کے دوسرے شہروں میں کئی اور بھی شکار ہیں، ہر بار ان کا طریقہ کار مختلف ہوتا ہے۔ یعقوب چونکہ ان میرڈ اور تنہا رہتا تھا اس لیے یہاں فائزہ نے اسے فریب کیا اور خوب سارا پیسہ لوٹ کر وہ سب الگ الگ جگہوں پر جا چکے ہیں۔ میں تمہاری بات سن کر حیران ہوں کہ وہ تم تک کیسے پہنچ گیا۔ گھر سے تو وہ یہ کہہ کر گیا تھا کہ دوستوں کے ساتھ لداخ روڈ ٹرپ پر جا رہا ہے۔"

"روڈ ٹرپ پر نہیں، وہ انتقام اور بدلہ لینے نکلا تھا اور بس اسے پورا کرنے والا ہے۔"

"کیسے؟" انہوں نے بڑے تحمل سے پوچھا اور اس نے ساری تفصیل گوش گزار کی۔

"میں آپ کے پاس اس لیے آئی ہوں کہ آپ اس ظلم کو روک سکتی ہیں۔" وہ بے یقینی سے اسے

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG

دیکھ رہی تھیں۔ ان کا بیٹا دو بے گناہ اور تنہا عورتوں کے ساتھ ایسی زیادتی بھی کر سکتا ہے، انہیں شدید رنج اور افسوس میں مبتلا کر گیا تھا۔

"اس کا فون سوئچ آف ہی آتا ہے۔ وہ خود سے میسج یا کال کرے۔ تب ہی بات ہوتی ہے۔ تم اس سے میری بات کروا دو تو میں اس سے پوچھوں، مجھے یقین ہے وہ میری بات مان لے گا۔"

"وہ کسی کی نہیں سنے گا آنٹی ورنہ وہ اپنا فون بند نہیں رکھتا۔ ویسے بھی میں اس لیے آپ کے پاس نہیں آئی کہ آپ اسے روکیں۔"

"پھر؟"

"میں آپ سے مقصود کو لوٹانے والی رقم بطور قرض مانگنے آئی ہوں۔" اس نے پورے اعتماد سے کہا اور ثمرہ جواب تک اس سے متاثر ہو رہی تھیں اس انداز اور بات پر حیران ہوتے ہوئے مسکرا دیں۔ ایسا جگر اور خود اعتمادی سب میں کہاں ہوتی ہے۔ ان حالات میں بھی وہ سر اٹھا کر مدد مانگ رہی تھی، وہ بھی اپنے دشمن کی ماں سے۔

"میں یہ حقیقت بدل نہیں سکتی کہ وہ میری ماں ہیں لیکن میں ان کے کیے کی سزا بھگتنے تیار ہوں نہ یہ قبول ہے کہ کوئی اور مجھے ان کے کیے کی سزا دے۔ آپ بھی ایک زیادتی روکنا چاہتی ہیں تو میری مدد کریں۔ مجھے یہ واحد راستہ نظر آیا کہ آپ سے بیٹے کی سچائی بیان کروں اور آپ سے ہی مدد مانگوں۔ اگر آپ مدد سے انکار کر دیں تو میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔ ہادی جیت جائے گا لیکن یہ انتقام نہیں ہو گا بلکہ ایک نیا دھوکا اور ظلم ہوگا۔ میں یا آنی اس کا بدلہ نہیں لیں گے بلکہ پھر یہ معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا۔"

"کتنی رقم دینا ہے؟" ہادی سے بات کرنا چاہتی تھیں، انہیں اب بھی لگ رہا تھا وہ ایسا نہیں کر سکتا مگر یعقوب کے لیے اس کی حساسیت اور پھر پہلی بار گھر میں جھوٹ کہہ کر کہیں اور جانے والی بات ان کا یقین ڈانواڈول کر رہی تھی۔

"تین لاکھ۔" اس کا دل بری طرح دھڑکا۔ کیا واقعی اس کا یہ قدم کامیاب ٹھہرا تھا۔

وہ اس لڑکی سے شدید متاثر ہوئی تھیں۔ وہ ایک ماں سے بیٹے کی التجا اور منتیں کروا سکتی تھی، پھر اس بیٹے کی نافرمانی اس ماں کو جتا کر احساس جرم یا ندامت سے دوچار کرا سکتی تھی، وہ خود رو دھو کر اپنی مظلومیت کا پرچار بھی کر سکتی تھی لیکن اس کے بجائے وہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے اتنے پیسے ان سے ادھار مانگ رہی تھی، اعتماد اور وقار کے ساتھ۔ ظاہر ہے اتنا طویل سفر کر کے وہ یہاں ہلکی سی آس اور امید کے سہارے ہی آئی ہو گی۔ انہیں یہ جنگجو لڑکی پسند آئی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں تمہیں چیک دیتی ہوں لے جاؤ اور ہادی کو روک دو۔ ہادی اس سے پہلے گھر آ جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ احد آ جائیں تو میں انہیں لے کر وہاں آتی ہوں پھر وہیں بات کریں گے۔" اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔

"شکریہ۔" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ "میرے پاس اس کے علاوہ کہنے کو کچھ نہیں، بہت شکریہ۔"

"فی الحال ہادی سے کچھ نہ کہنا کہ یہ پیسے کہاں سے ملے ہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اسی وقت واپس جانا چاہ رہی تھی لیکن ثمرہ نے اسے روک لیا۔

"تم دن بھر کا اتنا لمبا سفر طے کر کے آئی ہو رات آرام کرو، صبح چلی جانا۔" اسے بھی جیسے سکون آ گیا تھا کہ اس نے "ہائی وے بریک" کو بچا لیا ہے۔ وہ آنی سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی کیا پتا ادھر ہادی سن گن لیتے ہوئے راز پا جائے، اس لیے انہیں پیغام بھیج کر فون بند کر دیا تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور کل واپس آئے گی۔

عشاء کی نماز پڑھ کر لیٹی تو ایسی بے خبر سوئی کہ صبح فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی۔ ناشتے کے بعد ثمرہ نے اسے ڈرائیور کے ساتھ بس اسٹاپ روانہ کیا تھا۔ پہلے ہی وہ اس کی ٹکٹ بک کروا چکی تھیں۔ پرس میں

حفاظت سے رکھا تین لاکھ کا چیک گویا اس کا پر بن گیا تھا۔ وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی۔

"اچھا کیا جو میں نے زیادہ سوچا نہیں اور یہاں چلی آئی۔ اتنی نائس سی ہیں آنٹی اور بیٹے نے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان کا کچھ اثر نہیں لیا۔"

وہ گھر پہنچی تو شام ہو گئی تھی۔ وہ چاہتی تھی پہلا سامنا ہادی سے ہی ہوتا کہ پہلی فرصت میں اسے یہ خبر سنائے کہ وہ مقصود کا قرض چکانے کا انتظام کر چکی ہے۔ ابھی تو نہیں بجے تھے لیکن دروازے پر کلوزڈ کی تختی لٹکی تھی۔

"جلدی بند کر دیا۔" وہ اندر داخل ہوئی تو سائبان خالی اور ایک دم صاف ستھرا تھا۔ عموماً شام میں بند ہونے کے بعد ایسی صفائی نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے اور آنی کے کمروں کی طرف بڑھی۔

"السلام علیکم۔" اس نے پورے جوش سے سلام کیا۔ وہ الماری کھولے کھڑی تھیں۔

"وعلیکم السلام۔ آئندہ ایسا کیا نہ تو واپس مت آنا۔" وہ ذرا سی ناراضی سے گویا ہوئیں۔

"ایسا آئندہ کبھی نہیں آئے گا۔" اس نے پیچھے سے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

"منہ ہاتھ دھو لو پھر کھانا کھاتے ہیں۔" انہوں نے اس کے گال پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سب جلدی چلے گئے آج؟" وہ ان سے الگ ہوئی۔

"ہم مم۔" انہوں نے مصروف انداز میں ہنکارا بھرا۔ اس نے دوپٹا اتار کر ایک طرف رکھا اور آستینیں چڑھانے لگی۔

"کیسی ہے دانیہ؟" الماری بند کر کے اس کی طرف مڑتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

"میں دانیہ کی طرف نہیں گئی تھی۔" اس نے اطمینان سے کہا۔

"پھر کہاں گئی تھیں؟" ان کی حیرانی بجا تھی۔

"وہ سب چھوڑیں، کام کی بات سنیں، ہم ابھی اور اس وقت مقصود کے چار لاکھ اسے لوٹا سکتے ہیں اور کھانے کے بعد جا کر اس کے منہ مار آئیں گے۔"

"کہاں سے ملے اتنے پیسے؟"

"چوری نہیں کیے آنی! یہ بھی قرض ہی ہے بنا انٹرسٹ کے لیکن ہم اب ہائی وے بریک کو بچا لیں گے۔"

"ہائی وے بریک بک چکا۔" وہ پھر الماری کی سمت پلٹ گئیں۔

"آ...... نی!" بمشکل اس کی آواز نکلی۔ "کیا کہا آپ نے؟" اس نے شانوں سے پکڑ کر ان کا رخ اپنی طرف کیا۔

"ہائی وے بریک بک گیا ہے اور مقصود کو اس کا پیسہ لوٹا دیا۔ اب ہم کسی کے مقروض نہیں بلکہ ہمارے پاس چند لاکھ بچے بھی ہیں۔"

"بلڈی رچ!" اس نے انہیں چھوڑا اور تیزی سے باہر نکلی۔ دھاڑ سے ہادی کے کمرے کا دروازہ کھولا اور بے یقینی سے سب طرف دیکھا۔ اس کا بیگ کہیں نہیں تھا۔ وہ باہر آئی تو آنی بھی باہر کھڑی تھیں۔

"وہ چلا گیا ہے۔"

"کیوں کیوں کیا آنی ایسا......؟" وہ رو رہی تھی۔

"اتنی کیا جلدی تھی، میرا بھی انتظار نہیں کیا۔" شدید پچھتاوا اور افسوس تھا۔ کاش وہ انہیں ایک فون کر دیتی کہ مقصود کے لیے پیسے لوٹانے کا انتظام ہو گیا ہے۔ اس کی حد درجہ احتیاط ہی اسے لے ڈوبی تھی۔

"تم فریش ہو جاؤ میں کھانا نکال رہی ہوں۔" وہ اسے، اس کے دکھ اور آنسوؤں کو مکمل نظر انداز کرتی باورچی خانے میں چلی گئیں۔

کمرے میں آ کر اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ذرا دیر میں ہی اس نے سارا کمرہ تہس نہس کر دیا۔ اس کے ایسے غضب ناک تیور زندگی میں پہلی بار ہوئے تھے۔ اس کی طیش بھری بھیگی آواز آنی تک پہنچ رہی تھیں۔ انہوں نے دوپٹے سے

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
CS CamScanner

آنکھیں صاف کیں اور کھانا گرم کرنی لگیں۔
جب اس کی آوازیں بند ہوگئیں تو وہ ٹرے میں دور رکابیاں پیالہ اور روٹیاں رکھ کر اندر آ گئیں۔ میز، تپائی، درازوں، شوکیس اور طاقوں کا سامان کچھ سالم، کچھ ٹوٹا پھوٹا سارے کمرے میں بکھرا تھا اور وہ دیوار سے لگی بیٹھی تھی۔ انہوں نے ٹرے پلنگ پر رکھی، پھر فرش پر گری تپائی اٹھا کر پلنگ کے قریب رکھ کر ٹرے اس پر رکھ دی۔

''آؤ، کھانا کھالو۔'' وہ اس کے قریب آ گئیں۔

''یہ سب میری ماں کی وجہ سے ہے آنی۔'' وہ کھوئی کھوئی سی آواز میں کہنے لگی۔ ''ان کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے ہمیں، ہم اس سے بچ نہیں سکتے، ہماری کوششیں اور اچھے کام ان کے گناہوں کے آگے بڑے معمولی اور ہلکے ہیں۔'' آنی اس کے قریب بیٹھ گئیں۔

''اس سے زیادہ بے وقوفی والی بات میں نے آج تک نہیں سنی۔''

''آپ بہت سادہ اور معصوم ہیں آنی، لوگوں کو اور دنیا کو بھی ایسا ہی سمجھتی ہیں لیکن دنیا کا کاروبار ایسے ہی تو چلتا ہے چند لوگ عبرت کا نشان بنائے جاتے ہیں تا کہ دوسرے باز رہیں، ہم وہی عبرت کا نشان ہیں۔''

آنی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے اس کے بکھرے بال چہرے سے ہٹائے۔

''میری جان! دنیا کا کاروبار جو چلاتا ہے وہ سب سے بڑا منصف ہے، عذاب او اجر کے معاملے میں اس سے زیادہ غیر جانب دار کوئی نہیں نہ اس سے زیادہ ہمدرد اور راحم کوئی ہے۔ یہ سزا نہیں آزمائش تھی اور دیکھو ہم اس میں کھرے اترے۔ اب بھی ہم نے سود کے بنا قرض چکا دیا، ہمارے پاس چھت ہے، کچھ پیسہ بھی، ہاتھ پیر سلامت ہیں۔ تم کیوں اتنا مایوس ہو رہی ہو؟''

''میں آپ کی طرح نہیں سوچ سکتی آنی۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''اس نے تو خود شائستہ جبیں کا نام لیا تھا، اس نے چھپایا نہیں کہ وہ بدلہ لینے، ہم سے سب چھیننے آیا ہے اور اس نے بدلہ لے لیا، ہماری مجبوری کا فائدہ اٹھایا، اونے پونے یہ ریسٹورنٹ خرید کر احسان بھی جتا دیا۔ آپ اصل مقصد نہ دیکھ رہی ہیں نہ دور کا سوچ رہی ہیں، ریسٹ ہاؤس ہمیں کچھ نہیں دے سکتا، چند ماہ بعد جب پیسے ختم ہو جائیں گے تو کیا کریں گے ہم؟ تب ایک بار پھر وہ مسیحا بن کے آئے گا اور چند لاکھ کا چیک ہمارے آگے رکھ کر ہمیں ان دو کمروں تک محدود کر دے گا، پھر ایک دن یہ بھی چھین لے گا۔ ایک ہی وار میں سب ختم کرنے کے بجائے ہماری بے بسی، لاچاری اور تکلیفوں کو دیکھنا اسے زیادہ خوشی اور اطمینان دے گا۔ ہمارے گھر میں کوئی مرد بھی نہیں، ہم دونوں تنہا ہیں، یہ ساری پریشانیاں تو ہماری نیکیوں اور اچھائیوں کا صلہ نہیں ہو سکتا، یہ سب شائستہ جبیں کے اعمال ہیں جو ہم بھگت رہے ہیں۔''

''تم اس وقت سمجھنے سے قاصر ہو لیکن دیکھنا مجھے یقین ہے ان سب میں بھی کوئی بھلائی اور حکمت پوشیدہ ہوگی، تم اتنا مایوس نہ ہو، قرض کے بوجھ سے آزاد ہونا ہائی وے بریک کی بری قیمت نہیں۔ اتنے وقت کے لیے کوئی قرض دیتا ہے نہ بنا تقاضوں کے صبر کرتا ہے۔ یہ کیا کم احسان تھا اللہ کا کہ اتنے سال سردار چاچا نے کبھی مانگا نہیں، رب کی عنایتوں کے بعد آزمائشوں پر واویلا اچھی بات نہیں اور ہادی ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ اس نے بتایا مجھے، اس کے ماموں کے ساتھ کیا ہوا تھا، تم خوامخواہ اس سے بددل ہو رہی ہو۔''

اس کے پاس اور کڑوی باتیں تھیں لیکن وہ بے ادبی کے زمرے میں شمار ہونے والی تھیں اس لیے خود کو روکے رکھا۔

''اب اٹھو منہ دھو کر کھانا کھاؤ، مجھ سے مزید بھوک برداشت نہیں ہوگی۔'' وہ کھڑی ہو گئیں۔ اس کے بعد اسے بھی اٹھنا ہی پڑا۔

کھانے کے بعد بھی اس کے پاس سوال ہی

آنی تحمل سے اسے جواب دیے جا رہی
سوال تھے۔ آنی کر چلا تو گیا ہے لیکن ریسٹوران کا
نہیں۔ وہ پیسے دے گا یا توڑ پھوڑ کر وہاں دوسرا
کرے گا کیا؟ خود چلائے
بنائے گا؟ آنی کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔
اس نے انہیں ریسٹوراں سے اپنا سامان
نکالنے کا کہا تھا۔ ملازمین کی چھٹی کر دی گئی تھی۔ بنا
کسی پیشگی اطلاع کے نوکری چھن جانے پر اس نے یہ
احسان کیا تھا کہ انہیں اگلے ایک ماہ کی تنخواہیں دے
دی تھیں۔ اس کے اندر ڈر مضبوط ہو گیا تھا کہ کچھ
وقت بعد وہ کسی بہانے سے ان کا مکان بھی چھین لے
گا۔
آنی نے پوچھا کس سے پیسے لیے ہیں لیکن اس
نے نہیں بتایا۔

''بھول جائیں۔ میں نے چیک پھاڑ دیا
ہے۔''

''جیسے شائستہ جبیں اور تھیں ہوں ویسے ہی آنٹی
اور ہادی، ایک نالائق اور دوسرا لائق۔'' اس نے ثمرہ کو
پیغام بھیج کر چیک پھاڑ دیا اور اس کے بعد اس نے
فون سوئچ آف کر دیا تھا۔ جسے بھی خبر ہو رہی تھی، ہر
کوئی تعزیت اور تفصیل کے لیے فون کیے جا رہا تھا۔

اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ کبھی وہ
ہادی سے بدلہ لینے کا سوچتی، اس کی مما کو استعمال
کرنے کا خیال آتا پھر آنی کو دیکھتی تو اپنی سوچ پر
شرمندہ ہو جاتی۔

ریسٹ ہاؤس کے مکین کا قیام اس کے اندر بھی
کہیں ہو چکا تھا۔ یہ احساس اسے خود سے ناراض کر
چکا تھا۔ اسے خود پر غصہ آتا، کیسے اس نے اس کو
پہچاننے میں غلطی کی، کیوں اسے اتنی اہمیت اور جگہ
دی۔ ہر گزرے دن کے ساتھ ہادی کے لیے اس کا
غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ کبھی اس کا دل کرتا آئندہ کبھی
اس کا سامنا نہ ہو تو کبھی دل کرتا اسی وقت اس کے
سامنے پہنچ کر اسے اس کی پست ذہنیت، کم ظرفی اور
بزدلی کا احساس کرائے جو اس سے دو عورتوں سے
بدلہ لینے جیسا گھٹیا کام کروا چکی تھی۔

میزیں کرسیاں اور ریسٹوراں کا دیگر سامان
ایک اور ہوٹل والا ان سے چند پیسوں میں لے گیا
تھا۔ وہ بھی دھیرے دھیرے اپنا سامان وہاں سے
دوسرے کمرے میں منتقل کر چکی تھیں۔

ہائی وے بریک کا بورڈ نکلا تو اسے بہت رونا آیا
تھا۔ اس کا دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ آنی چلتے
پھرتے حوصلے بڑھاتیں، امید افزا باتیں کرتیں مگر
اسے وہ سب الفاظ کھوکھلے محسوس ہوتے تھے۔ ان
سب ہادی نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کا یقین کر چکی تھیں۔
انہیں کسی کا ڈر اور خوف کہ وہ پھر یہی سب دہرائے گا،
غیر ضروری اور غلط لگتا تھا جب کہ اسے آگے تاریکی ہی
دکھائی دیتی تھی۔ اسے ریسٹ ہاؤس اور اس کی پرانی
عمارت سے کوئی امید نہیں تھی۔

☆☆☆

روتے بسورتے دن گزر رہے تھے کہ اچانک
ایک دن سرکاری محکمے سے کچھ لوگ بلڈوزر کے ساتھ
وہاں پہنچ گئے۔ ان کے پاس سرکاری کاغذات اور
عدالت کا حکم نامہ یا اجازت نامہ تھا۔ جس کے مطابق
مکان کے آگے والی تعمیر غیر قانونی تھی اور اسے ڈھانا
تھا۔ اس دن شہر کی دو اور چھوٹی دکانوں کے آگے کی
تعمیرات توڑی گئی تھیں۔ آنی ہکا بکا تھیں لیکن وہ خوب
ہنسی۔ اس نے اللہ کا شکر ادا کیا جس نے انہیں بچا لیا
تھا اور ہادی کو خوب سزا دی تھی۔ وہ جوان کا نقصان
کرنے چلا تھا خود اپنا کروا بیٹھا تھا۔ وہ اس کی صورت
کا تصور کر کے ہی قہقہے لگا رہی تھی۔

''سچ ہے انتقام اندھا کر دیتا ہے۔'' اس نے
سوچا۔

محی الدین نے جب انہیں ریسٹوران کا مشورہ
دیا تھا تو کہاں تک ان کی زمین ہے یہ جانچ اور
سرکاری کاغذات و محکموں کے کام انہوں نے ہی کیے
تھے۔ جانے ان سے غفلت ہوئی تھی، انہوں نے اس
پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی یا کچھ لے دے کر معاملہ نپٹا لیا
تھا۔ آنی نے جب زمین اور مکان کے پرانے
کاغذات دیکھے تو ان کے مطابق ریسٹوران کی جگہ

PKDAILYINFO.COM
CamScanner

ان کی ملکیت نہیں تھی۔ مکان کے آگے کی سات آٹھ فٹ کی جگہ ان کی تھی لیکن اس کے آگے ریاست کی ملکیت تھی۔ ان دنوں راستہ کشادہ کرنے کے لیے وہ اس طرح غیر قانونی طور پر گھیری گئی زمینیں دوبارہ حاصل کر رہے تھے۔

"سچ کہتی ہیں آنی، اللہ سے بڑا منصوبہ ساز اور کوئی نہیں۔"

آنی کو افسوس تھا کہ ہادی کا نقصان ہوا ہے۔ انہوں نے اسے فون لگانے اور رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملتا تھا۔

اس کی اتنے دنوں کی کوفت اور بے چینی ایک دم ختم ہوگئی تھی۔ اب اسے مستقبل کی فکر تھی۔ آنی اس کے لیے رشتہ دیکھ رہی تھیں اور وہ نوکری۔

جلد ہی اسے سمجھ میں آ گیا کہ بی اے کی بنیاد پر اسے معمولی نوکری ملنا بھی مشکل ہے۔ اپنی کچھ سہیلیوں سے فون پر لمبی چوڑی گفتگو کے بعد اس نے کچھ کورسز کرنے کی ٹھانی۔ کوئی بھی کورس اس کے چھوٹے سے شہر میں دستیاب نہیں تھا۔ آنی کو منا کر اب وہ ان کورسز کے لیے روز ٹرین سے دو گھنٹے کا سفر کر کے قریبی شہر جانے لگی تھی۔

☆☆☆

زندگی معمول پر آ گئی تھی۔ وہ دفتر بھی جانے لگا تھا۔ گھر آ کر اس نے ثمرہ اور یعقوب دونوں کو سچ بتا دیا تھا۔ ماموں اس کی حساسیت اور اس قدر آگے بڑھ جانے پر خود سے شرمندہ تھے۔

انہوں نے خود کو اتنا مایوس اور اداس نہ کیا ہوتا تو ہادی بھی اتنا آگے نہ بڑھتا۔ ڈیڈ سے بھی کہنا پڑا کہ گیارہ لاکھ ان کے لیے معمولی رقم سہی لیکن چھپ نہیں سکتی تھی۔

جب بھی آنی کے فون سے اس کے نمبر پر کال آتی وہ عجیب سے احساس میں گھر جاتا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ بھی آنا بند ہوگئی۔

[illegible] سے کال آئی، اٹھالوں

گا۔" وہ سوچتا پھر خود ہی اس خام خیالی پر ہنس دیتا۔ مصروفیت بلا کی تھی اور دل اداس۔ ایسے ہی ایک دن ماموں نے اسے گھیر لیا۔

"سچ بتاؤ ایک ایل لیگل تعمیر خریدنے کے علاوہ اور کیا کارنامہ انجام دے کر آئے ہو؟"

"نہ پوچھیں ماموں!" اس نے سرد آہ بھری۔ "لگتا ہے آپ کی طرح مجھے بھی ساری عمر کنوارا رہ کر گزارنی پڑے گی۔"

"اللہ نہ کرے۔" اس نے مذاقاً کہا تھا مگر وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"تمہارا ماموں زندہ ہے ابھی۔ سچ سچ بتاؤ مجھے۔"

اور اسے ان کے آگے دل کھولنا پڑا۔

☆☆☆

وہ دوائیوں کی دکان سے باہر نکلی تو مقصود باہر کھڑا کسی سے بات کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھ گئی لیکن مقصود کی بات نے اس کے قدم روک دیے۔

"پہلے لگا تھا اسے شی میں انٹرسٹ ہے، اس کے لیے یہ سب کر رہا ہے لیکن وہ تو اسی دن چلا گیا اس کے بعد سے اب تک واپس نہیں آیا۔ اب تو لگتا ہے فرشتہ ہی تھا، مجھے بھی نقصان سے بچایا اور ان کا بھی فائدہ کر گیا۔" وہ ہنسنے لگا۔

اس نے خود کو بہت روکا لیکن کچھ پل بعد وہ مقصود کے سامنے کھڑی تھی۔ اس سے اس بیان کا پس منظر جاننے کے بعد گھر پہنچ کر ہاتھ میں پکڑا سامان دروازے میں ہی چھوڑ کر وہ الماری کی طرف بھاگی جہاں ریستوران کے رجسٹر اور باقی کاغذات رکھے تھے۔ کچھ دیر بعد آنی اندر آئیں تو وہ ساری الماری خالی کر کے جانے کیا تلاش کر رہی تھی۔

"شی!" وہ حیران ہوئیں۔

"کیا ڈھونڈ رہی ہو؟ سب پھیلا دیا، مجھ سے پوچھ لیتیں، کیا چاہیے؟"

وہ جواب دیے بنا بے صبری اور تیزی سے سب الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی۔

"شی!" انہوں نے بلند آواز میں پکارا۔ اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ہمیں کئی دن پہلے ڈیمالیشن کا نوٹس آیا تھا۔"

"نہیں۔" وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"آیا تھا، وہی ڈھونڈ رہی ہوں۔" وہ پھر بے قراری سے سامنے پھیلی فائلوں اور کاغذات کو الٹ پلٹ کر غور سے پڑھنے لگی۔ اس کا انداز اور بات کسی بڑی بات اور خبر کا اشارہ تھے۔ وہ بھی اس کے ساتھ لگ گئیں۔ ایک ایک کاغذ الگ کرنے کے بعد اس کے ہاتھ اس محکمے سے آیا خالی لفافہ لگا۔ اندر کوئی سرکاری رقعہ یا نوٹس والا خط نہیں تھا۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔ وہ ایک بار پھر اپنی جلد بازی کی وجہ سے بری طرح نادم تھی۔ ملال تھا، دکھ تھا اور......

"کیا ہوا ہے بیٹا؟ پوری بات بتاؤ مجھے۔"

"آنی! یہ نوٹس جانے کیسے ہادی کے ہاتھ لگا تھا۔ اس نے یہ بتا کر ہی مقصود کو ہائی وے بریک خریدنے سے روکا تھا کہ اتنا سستا خریدنے کے بعد بھی اس کا نقصان ہوگا۔"

"پھر تو مقصود کو زیادہ شور مچانا چاہیے تھا یا وہ تو زندگی ہی تنگ کر دیتا ہم پر یہ جاننے کے بعد کہ اسے دینے کو، ہمارے پاس کچھ نہیں؟" یہ تو اور زیادہ حیران کن بات تھی۔

"ہادی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ چپ رہا تو وہ اس کے چار لاکھ ریسٹورنٹ ٹوٹنے سے پہلے اسے دلوا دے گا۔ مقصود جس مقصد کے لیے ہائی وے بریک خرید رہا تھا جب وہ ہی نہیں بچا تو اس کی دلچسپی بھی ختم ہوگئی بلکہ ایک طرح سے وہ ہادی کا شکر گزار تھا کہ اس نے اسے بچا لیا اور ہادی نے جانتے بوجھتے جلد بازی کر کے یہ خریدا تا کہ......" ہاتھ میں دھرے نوٹس والے لفافے کو دیکھتے ہوئے اس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"اللہ اکبر!" آنی بے یقینی سی دیوار سے ٹک گئیں۔

"وہ جانتا تھا یہ جاننے کے بعد آپ کی اصول پسند طبیعت نقصان برداشت کر لے گی لیکن مقصود کو فروخت کریں گی نہ کسی دوسرے کو اور ہائی وے بریک ہاتھ سے جانے کے بعد ہمارے پاس کچھ نہیں بچتا تھا۔" وہ بھی نڈھال سی ان کے قریب بیٹھ گئی۔

اس پر ایک ایک بات ایک ایک بار یکی مکمل واضح ہوگئی تھی۔ اس کا بند فون بھی اور اب تک ان سے رابطہ نہ کرنے کی وجہ بھی کہ یہ سچ کھل ہی جانا تھا اور اس کے بعد آنی اسے روپے لوٹانے جیسی کوشش نہ کریں۔ اسے خوش ہونا چاہیے تھا لیکن اس کے اندر بہت سارا دکھ بھر گیا تھا۔

"مجھے تو پتا تھا، وہ اچھا بچہ ہے۔" آنی کی بھیگی آواز ابھری اور اس کے چہرے پر اداس تبسم پھیل گیا۔

"یہ ہی ہے شی جو میں کہتی تھی، اللہ کی مصلحتیں ہوتی ہیں جو ہم نہیں سمجھ سکتے اسی لیے ہمارا مقصد بس آزمائش میں کھرا اترنا ہونا چاہیے پھر باقی وہ سنوار دیتا ہے۔ مجھے تو ہمیشہ سے یقین تھا یہ سب شائستہ کی برائی کی سزا نہیں بلکہ ہمارا امتحان ہے اور دیکھو، کون ہماری مشکلیں ختم کرنے کا ذریعہ بنا...... وہ جانے کس ارادے سے آیا تھا، کیا چاہتا تھا لیکن آخر وہ ہمارا مسیحا بنا، کہاں سے کہاں تار جڑے، لوگ ملے اور کام بنے۔ شکر ہے تیرا مالک۔ اب میں اس بچے کی نیکی اور خلوص لوٹا بھی نہیں سکتی، یہ بھی بے قدری اور ناشکری ہوگی۔"

آنی شکر گزار تھیں، اللہ کی اور پھر ہادی کی۔ ان کے یقین درست ثابت ہوئے تھے۔ وہ اپنی آزمائشوں میں پوری اتری تھیں۔ شی شرمندہ تھی اللہ سے اور پھر ہادی سے۔ اس کے اندازے اور یقین غلط نکلے تھے۔ اسے افسوس اور شرمندگی تھی اپنی سوچ پر کہ آزمائشوں کو سزا سمجھ کر ڈیل کرتی رہی کہ اس ایک سوچ سے نیت بنتی ہے، نیت سے عمل اور عمل سے اجر۔

آنی نے اسے فون لگایا۔ بیل جاتی رہی مگر دوسری جانب کسی نے اٹھایا نہیں۔ اس کے پاس ثمرہ کا نمبر تھا لیکن وہ اسے ڈیلیٹ کر چکی تھی۔

☆☆☆

خالی پڑے ریسٹ ہاؤس میں نیا مہمان آیا تھا۔ وہ سٹر اور پڑھائی میں اتنا تھک جاتی تھی کہ کسی اور طرف توجہ دینے کی سکت ہوتی تھی نہ وقت۔

چھٹی کے دن گھر ہوتی تو سوئی رہتی۔ ریسٹ ہاؤس میں رہنے والا مہمان مصور تھا۔ جس کی جبار بھائی اور افروز کے ساتھ ساتھ آنی سے بھی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

اس نے غور کیا اب مصروفیت نہ ہونے کے برابر تھی تو آنی بھی خود پر توجہ دینے لگی تھیں۔ وہ اپنا خیال رکھ رہی تھیں۔ اچھی طرح تیار بھی ہوتی تھیں۔ ساتھ ہی وہ ان پیسوں سے چھوٹا موٹا کام شروع کرنے کے لیے چھان بین بھی کر رہی تھیں۔ اکثر مہمان کے ساتھ اس موضوع پر بات کرتیں۔ انہیں نیا کام شروع کرنے کے متعلق کوئی خیال آتا تو ان کی رائے پوچھتیں۔

اکثر شام میں شمی لوٹتی تو وہ دونوں ریسٹ ہاؤس اور گھر کے درمیان میز کرسی بچھائے چائے پر باتوں میں مگن ہوتے تھے یا بھی وہ کوئی تصویر بنا رہے ہوتے اور آنی دیکھتی رہتیں۔ رک کر وہ بھی دعا سلام کر لیتی تھی۔ گھر کے سامنے ریستوران کی کھلی اور خالی جگہ دیکھ کر دل بھاری ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

سامنے لیپ ٹاپ کھلا تھا مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ ثمرہ کچھ دیر چپ چاپ دیکھتی رہیں پھر پٹ کو انگلی سے بجایا۔ وہ چونکا پھر مسکرایا۔

"آئیں نا مما......"

"بزی ہو؟"

"نہیں۔" اس نے لیپ ٹاپ بند کیا۔

"خود سے فیصلہ نہیں کر پا رہے تو بات کرو۔" وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئیں۔

"کیسا فیصلہ؟" اس نے گہری سانس لی۔ انجان بننا یا انہیں ٹالنا ناممکن تھا۔

"جو کرنا تھا، میں کر چکا اور اب وہ چیپٹر کلوز ہو چکا ہے۔"

"لگ تو نہیں رہا۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر شانے اچکائے۔ "آپ کو کیوں یقین نہیں آتا؟"

"تم خود اپنی روٹین اور حالت پر غور کرو تو تمہیں بھی یقین نہ آئے کل احد بھی پوچھ رہے تھے کہ ٹرپ سے آنے کے بعد ہادی فریش نہیں لگ رہا۔"

اس کے پاس واقعی کوئی جواب نہیں تھا۔

"یعقوب ٹھیک ہوا تو اب تم نے اس کی جگہ سنبھال لی ہے۔"

"بالکل نہیں مما!" اس نے سختی سے تردید کی۔ "میں ڈیپریسڈ یا مایوس نہیں ہوں بس۔" وہ رک گیا۔ ثمرہ نے ابرو اچکا کر آگے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"ڈونٹ نو مما کیا ہے لیکن وہ لوگ میرے ذہن سے نکلتے نہیں۔"

"ایک بار مل آؤ۔" وہ چپ رہا۔

"کیا تم کسی سے ڈر رہے ہو؟" وہ مسکرائیں۔

"اس نے جو کیا تھا اس کے بعد ڈرنا تو چاہیے مجھے۔" اس کا اشارہ اس کی اور ثمرہ سے ملاقات کی طرف تھا۔

"تم کیا سوچ کر گئے تھے وہاں؟"

"میں کچھ سوچ کر نہیں گیا تھا بس مجھے شائستہ یا اس سے جڑے کسی شخص یا خبر کی تلاش وہاں لے گئی تھی۔ میرے اندر غصہ تھا بہت زیادہ غصہ، میں ان کے ساتھ کچھ برا ہی کرنا چاہتا تھا مگر کیا نہیں پہلے مجھے یہی لگا کہ وہ ان سے رابطے میں ہیں، اتنا بڑا ریسٹ ہاؤس اور وہ ریسٹورنٹ فراڈ کے پیسوں سے ہی قائم ہوا ہے، وہ دوسروں کی محنت کی کمائی لوٹ کر یوں عیش کر رہی ہیں لیکن جلد ہی سب کلیئر ہو گیا اور میں حد درجہ کنفیوز۔ وہ دونوں مجھے ماموں سے زیادہ بڑی وکٹمز لگیں اور پھر اس سچویشن میں بھی آنی کا بینکوں سے قرض لینے سے انکار اور ریسٹورنٹ دینے کی تیاری مجھے ان کی ثابت قدمی اور یقین کا یقین کرا

گئی ہیں بہت امپریس ہوا۔ وہ دونوں دنیا میں کسی ثائنہ کی موجودگی اور اس کی الٹی سیدھی حرکتوں سے انجان اور بے پروا ہو کر جی رہی تھیں۔ وہ شمی کے نانا نانی کو یاد کرتی تھیں لیکن شائستہ جبیں کا ذکر نہ اچھا نہ برا کبھی نہیں کیا۔ اسے اس طرح انہوں نے دانستہ اپنی زندگی اور باتوں سے نکالا تھا تاکہ شمی اس کے سائے اور خیال سے بھی دور رہے۔

مجھے پہلے یہ بات بڑی عجیب لگتی تھی کہ کیسے ایک بیٹی اپنی ماں کو یاد نہیں کرتی یا اس کے بارے میں تجسس نہیں رکھتی لیکن وہاں رہتے ہوئے سمجھ میں آیا کہ اس کے لیے آنی ہی ماں ہیں تو کسی اور ماں کی کمی یا خیال کیسے آ سکتا ہے۔ ان کا ریلیشن شپ بڑا نیچرل تھا۔ کافی کمیوں کے باوجود بھی ان کی زندگی بڑی بھرپور اور مکمل تھی۔

پھر اتفاق سے وہ نوٹس میرے ہاتھ لگا اور اسی پل میں جانتا تھا کہ یہ بات پتا چلتے ہی وہ سچ مقصود کو بتا دیں گی پھر دو ریسٹورنٹ خریدے گا نہیں اور قرض یونہی رہے گا، کیا پتا وہ اس وقت ریسٹ ہاؤس لینے کی بات کرتا یا کسی اور طریقے سے تنگ کرتا...... بس پھر اس کے آگے ایزی تھا فیصلہ۔" وہ کئی نازک احساسات گول کر گیا کہ ماں سے کہنا مناسب نہیں تھا۔

"اور اگر شمی پہلے پہنچ جاتی پیسے لے کر تو؟"

"شاید تب بھی ایک اور قرض کے بجائے آنی ریسٹورنٹ دینا مناسب سمجھتیں۔"

"ہمم۔ اب کیا کرو گے؟"

"اب کیا کرنا ہے؟"

"شائستہ جبیں کا بھوت اتر اتمہارے سر سے یا نہیں؟"

"اتر گیا۔" اس نے سرد آہ بھری۔

"وہ کسی دن اپنے انجام کو پہنچ ہی جائے گی، ان سے میں نے یہ بھی سیکھا کہ بری اور تلخ باتوں، یادوں کو زندگی میں کم سے کم اہمیت اور جگہ دینا چاہیے تاکہ ہم بھرپور طریقے سے جی سکیں۔ جنہیں احساس اور پروا نہیں، ان کے لیے اپنی زندگی خراب کرنا نادانی ہے۔ انصاف اللہ پر اور انتقام وقت پر چھوڑ دینا سب سے اچھی اسٹریٹجی ہے۔"

"واہ واہ!" ثمرہ نے متاثر ہو کر ہلکے سے تالی بجائی۔

"میرا بیٹا تو میچور اور فلاسفر ہو کر واپس آیا ہے۔" وہ جھینپ گیا۔

"وہ تو میں پہلے سے ہوں مما۔"

"اگر واقعی ہو تو پھر دیر نہ کرو اور جاؤ۔ مجھے آنی سے ملنے کا اشتیاق ہے اور شمی کو دوبارہ بلکہ ہمیشہ دیکھنے کی خواہش بھی۔" انہوں نے بیٹے کی مشکل آسان کی۔

☆☆☆

آہٹ پر وہ جھٹکے سے پلٹی۔ یہ منظر جانے کتنی دفعہ وہ خواب میں دیکھ چکی تھی۔ پل بھر کو لگا ابھی آنکھ کھل جائے گی اور کمرے کا گھپ اندھیرا ہوگا۔ اس نے پلکیں جھپکیں، منظر وہی تھا۔ وہ بنچ کے دوسرے سرے پر آ کر بیٹھ گیا۔ شمی نے نظریں افق پر جما دیں۔ آج ہادی کو اردگرد کے حسن کی پروا نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں اپنے مطلوب پر ٹکی تھیں۔

"اس دن میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ تمہیں دھکا دے دوں۔" ہادی خاموش اسے دیکھتا رہا تو کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ وہ پہلے کی طرح تلملا تا طنز کرنا چاہتی تھی پر ذرا سی ہی کامیاب رہی۔

"نہ دے کر اچھا کیا، خود کو نقصان سے بچا لیا۔" ادھر پہلے والے زعم اب بھی تھے۔

"اب تمہیں شوٹ کرنے کا دل کر رہا ہے۔" اس بار لہجے کی تیزی بڑی خاردار تھی مگر آنکھیں نم ہونے لگیں جو ہادی سے چھپی نہیں تھیں۔

"مانا میں نے دیر کر دی لیکن رحم کرو، بندہ ویسے ہی سالم نہیں ہے۔"

"اتنے غریب تو ہو نہیں کہ گردہ بیچنا پڑے۔" وہ جانتی تھی آواز کا طنطنہ اتنی ہی دیر ہے جب تک وہ گردن موڑ کر اسے نہ دیکھے اس لیے نظر آسمان پر ہی رکھی۔

"کڈنی ہی نہیں دوسرے اعضاء بھی بکتے ہیں۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

PKDAILYINFO.COM
CamScanner

"اونہہ! تم خریدنے والوں میں سے ہو۔" آخر میں بلڈی رچ اس بار اس نے بلند آواز میں کہا۔ مسلسل افق کے تیز اور اجلے نارنجی رنگ کو دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ آنکھیں اب برسنے کو تھیں۔

"تم جیسے مجھ جیسے بلڈی رچ کو بھی خرید لیتے ہیں۔" شمی کو اس کا جملہ بھی مسکراتا محسوس ہوا۔ مزید ضبط مشکل تھا۔ وہ اٹھنے لگی تھی کہ وہ ڈوبتے سورج اور اس کے بیچ دیوار بن کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ایک پروپوزل لے کر آیا ہوں۔" لہجے میں سفید پرچم لہرا رہا تھا۔

"میری طرف سے انکار ہے۔" شمی کا لہجہ اس پرچم میں چھید کرنے والا پتھر تھا۔ اسے بے وقوف تو بہر حال بنایا گیا تھا، کچھ ندامت تھی اور اسے دیکھتے ہی غصہ بھی عود آیا تھا۔

"سننے کے بعد انکار سے انکاری ہو جاؤ گی۔"

ہادی کا متبسم لہجہ اس کی چھٹی حس جگا گیا جو اسے جھنجھوڑ رہی تھی کہ اللہ کے واسطے اب چپ رہنا لڑکی۔

لیکن لڑکی عقل کے گھوڑے کی لگام چھوڑ چکی تھی۔ اسے کسی کی طلب، کسی کی آرزو نہیں، وہ یہ جتانا چاہتی تھی۔

"دنیا کی کوئی طاقت میرا انکار نہیں بدل سکتی۔" وہ اس کے بازو سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

"ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرا مہمان میرے ماموں یعقوب انور ہیں۔" شمی کے پیر جم گئے۔

"اور وہ آنی سے شادی کے خواہش مند ہیں۔" اس نے سختی سے آنکھیں میچیں۔

دنیا میں ذلت اور خواری اسی ایک شخص کے ہاتھوں لکھی تھی۔ جو اقرار اور اعتراض وہ خود سے بھی نہیں کر پاتی تھی، انجانے میں بڑے واضح انداز میں دونوں دفعہ اس دشمن جان کے مقابل ہو گئے تھے۔

"تم اپنے لیے انکار کر سکتی ہو، آنی کے لیے نہیں۔" وہ اس کے سامنے آ کر بڑے دل نشین انداز میں مسکرا دیا۔

"ویسے تم نے کیا سوچ کر انکار کیا تھا؟" وہ جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ شمی نے پوری قوت سے دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دیا اور سیڑھیاں پھلانگ گئی۔ نیچے اس کی کار کھڑی تھی۔ وہ بے تحاشا گھر کی سمت بھاگ رہی تھی۔ اس پر ہادی کی بات یکا یک پوری کھلی تھی آنی اور ماموں! بڑے دنوں بعد وہ دل سے مسکرائی۔ بھاگتے ہوئے گھر پہنچی اور پھولی سانسوں کے درمیان اس کی بے ربط سی بات سننے کے بعد آنی نے کہا۔

"میں پہلے دن سے جانتی ہوں۔"

"آں؟" اس نے اپنی دانست میں آنی کے سر بم گرایا تھا جو ان کے اطمینان سے دیے جواب کی صورت میں اس کے سر پر پھٹا تھا۔

"تم اتنی مصروف ہو کہ کتنے دنوں سے بیٹھ کر بات کرنے کا موقع ہی کہاں ملا ورنہ سب بتاتی تمہیں۔"

"سب......؟"

"ہمم سب۔" انہوں نے ہاتھ کھینچ کر اسے پاس پلنگ پر بٹھایا۔

"وہ اپنے بھانجے کا مسئلہ لے کر آئے تھے۔ وہ تم سے ہادی کے متعلق بات کرنا چاہتے تھے مگر تمہارا کورس ختم ہونے تک میں نے انہیں رکنے کا کہا تھا۔"

"اس کے متعلق بات......" اس نے اعتماد سے کہہ کر ایسی ممکنہ گنجائش رد کرنا چاہی لیکن آنکھیں جھکیں اور جملہ مکمل کرنا مشکل ہو گیا۔

"اس کے متعلق یہ بات کہ جس طرح اور جو کچھ کر کے وہ یہاں سے گیا تھا اس وجہ سے نہیں بلکہ اس نے جس طرح تمہیں شائستہ کے بارے میں بتایا تھا اس کو لے کر وہ دوبارہ تمہارا سامنا کرنے سے کترا رہا تھا۔"

"اونہہ! کہیں سے لگا تو نہیں۔" ذرا دیر پہلے کا منظر یاد کر کے اس نے دل میں کہا۔

"اچھا بچہ تو وہ مجھے ہمیشہ لگا اب اگر یعقوب صاحب کے پرپوزل پر تم مان جاؤ تو میرے لیے اس سے بڑی خوشی اور کیا ہوگی۔"

"ہادی نے بھی ایک پروپوزل دیا ہے۔"

اور پھر آنی اس شرط پر تیار ہوئیں کہ وہ نکاح اسی وقت کریں گی جب اس کی شادی ہو جائے۔ ماموں بھانجے دونوں ہی ایک ایک عدد پروپوزل کے ساتھ موجود تھے۔ ایک آنی نے قبول کر لیا اور ایک شمی نے۔ جبار بھائی اور افروز کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

☆☆☆

جبار بھائی اور افروز ریسٹ ہاؤس کے کمرے میں رہنے لگے تھے۔ آنی نے باقی کمرے کرائے پر چڑھا دیے تھے اور کرایا جبار بھائی اور افروز ہی وصولنے اور خرچ کرنے والے تھے۔ انہوں نے ساری عمر ان کے ساتھ گزاری تھی، ان کے لیے کام کیا تھا، ان کے ساتھ رہے تھے۔ چاہتے تو شہر جا کر کسی بڑے ہوٹل میں خانساماں بن سکتے تھے لیکن انہوں نے ان دو عورتوں کو تنہا نہیں چھوڑا۔ اپنے بڑے ابا سے کیا وعدہ کہ وہ ان کا خیال رکھیں گے آخر تک نبھایا تھا۔

وہ سب دو دن کے لیے آئے تھے۔ اس دفعہ ان کے ہمراہ فاطمہ اور ثمرہ بھی تھیں۔ اس وقت افروز اور سوتو گائیڈ بنے انہیں شہر گھمانے لے گئے تھے۔ کل صبح ان کی واپسی تھی۔ ماموں ان کے مکان کے پیس منظر میں بیٹھی آنی کا پورٹریٹ بنا رہے تھے۔

"مسز صدیقی! ماڈل کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہلے نہیں۔" انہوں نے ٹوکا۔

"میری توجہ جو آپ کے ہاتھ پر ہے یہ پاؤٹنگ کی میں نے۔" انہوں نے اکڑی پیٹھ کو سیدھی رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ایک بار پھر اسی اکھوتے پہنچ بیٹھے تھے لیکن اس بار وہ اجنبی نہیں تھے درمیان اس پرس تھا۔

"میں نے یہ منظر اکثر خواب میں دیکھا تھا۔" ہادی نے کہا۔

"نیچے جھیل، بستی، وہ پریاں اور اوپر آسمان، یہ منظر ہے ہی اتنا خوب صورت۔"

"وہ سب نہیں۔" ہادی نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور وہیں بازو اس کے پیچھے پھیلایا۔ "یہ منظر۔"

"اس منظر میں وہ منظر کیوں نہیں دیکھا؟ دونوں ایک ساتھ والا خواب زیادہ خوب صورت ہوتا۔" اس نے ذرا گردن گھما کر اسے دیکھا۔

"خواب تو مرضی والے نہیں آتے ناں۔" اس نے توجیہہ پیش کی۔

"مطلب تم کہنا چاہ رہے ہو......" وہ جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

"تمہاری مجھے خواب میں دیکھنے کی مرضی نہیں تھی؟"

"شمی!" ہادی نے تحمل بھرے پیار سے پکارا۔

"ہم لڑائی موقوف کر دیں کیوں کہ یہ جگہ مناسب نہیں۔"

"کیوں نہیں مناسب؟" یہ اس کی پسندیدہ جگہ کے متعلق نامناسب جملہ تھا۔

"تم نے ہی کہا تھا یہاں کسی نے سوسائیڈ کر لی تھی۔" اس نے بے چارگی سے کہا اور اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی وہ ہنسنے لگی۔

"کیسی بھی ظالم لڑاکا نہیں میں نہ تم اتنے جذباتی ہو۔"

"نہیں میرا مطلب تھا سوسائیڈ کے ساتھ نہیں یہ قتل و قتل کا بھی۔" اب کے اس نے شرارت سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ شاکی نگاہوں سے اسے گھورنے لگی پھر کسی خیال کے زیر اثر دفعتاً کھڑی ہو گئی۔

"ہمارا آغاز ہی یہاں غلط ہوا تھا یعنی ہم ایویں ہی لڑنے لگے تھے اور پھر آگے بھی سینگ ہی لڑاتے رہے۔" اس وقت خود کو حق پر سمجھ کر ہادی کو تیکھے جواب دینے والی کے لیے اب وہ ساری وجوہات، ایویں، ہو گئی تھیں۔

"اس لیے یوں سمجھو ہم اجنبی ہیں اور آج پہلی دفعہ یہاں مل رہے ہیں۔" اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"ہیلو! میں شمی اوصاف حسین۔"

"میں عبدالہادی عثمانی۔" اس نے بھی کھڑے ہو کر ہاتھ تھاما۔ "بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر، ویسے اب آپ شمی عبدالہادی ہیں۔" کچھ پل ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ بے ساختہ ہنس دیے۔

"وہ لڑائی والا انٹروڈکشن ہی اچھا تھا۔" ہادی نے ہاتھ کھینچ کر اسے قریب کیا۔

"ویسے تم یہاں کیسے پہنچے تھے؟"

"اتفاق...... حسین اتفاق۔"

PKDAILYINFO.COM
CamScanner

"اس جگہ کا کسی کو علم نہیں جب کہ تم تو نو وارد تھے۔"

"سب کو علم ہے باجی ......" پیچھے سے ہانپتے سونو کی آواز آئی۔ وہ دونوں پیچھے مڑے۔ اس کے پیچھے ثمرہ، فاطمہ اور افروز بھی تھیں۔

"یہ تو ہم نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ یہاں بھوت اور روحیں آتی ہیں کیونکہ دانیہ دیدی نے کہا تھا آپ کو یہاں اکیلے بیٹھنا پسند ہے۔"

"ہیں؟"

"ہاں۔" وہ سانسیں درست کرتے اکلوتے بینچ پر بیٹھ گیا۔

"جگہ تو یہ واقعی بڑی خوب صورت ہے۔" ثمرہ کے چہرے اور لہجے میں ستائش تھی۔

"جگہ نہیں مما، یہاں سے نظر آ رہا منظر خوب صورت ہے۔" فاطمہ نے کہا۔

"ہاں گڑیا اس اجڑی اور ویران جگہ سے دکھائی دینے والا نظارہ ہی تو اس جگہ کو بھی خوب صورت بنا رہا ہے۔"

"سچ کہا آنٹی! ایسا ہی ہے، ہم اپنے خیال اور تصور کے سارے منظر دل کش، خوش گوار اور امید افزا رکھیں تو زندگی میں جس بھی مقام پر ہوں، وہ مقام خوب صورت بن جاتا ہے۔" شمی نے کہا۔

"بالکل۔" وہ مسکرائیں۔

"دیکھ لیا ناں اب چلیں، جانے پینٹر صاحب کی تصویر مکمل ہوئی یا نہیں آنی بے چاری تو پھنس گئی ہیں۔" کچھ دیر بعد افروز نے یاد دلایا۔

"ہاں بھئی، چلو۔" وہ سب سیڑھیوں کی سمت بڑھے۔ شمی بھی جانے لگی تھی کہ ہادی نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"جو جس گروپ میں آیا تھا، وہ اسی گروپ میں واپس ہوگا۔" اس نے اعلان کیا۔

"جو پہلے آیا تھا وہ پہلے جائے گا۔" اسی انداز میں فاطمہ نے جواب دیا۔

"شمی اس جگہ کی ان آفیشل مالکن ہے اور یہ جگہ بدنام بھی ہے تم پنگا نہ لو اس سے۔" ثمرہ نے اسے چھیڑتے ہوئے بیٹی کو ڈرایا۔ اس نے شاکی نظروں سے ہادی کو دیکھا جہاں کی پہلی ملاقات کا احوال تفصیلاً سب کو سنا چکا تھا۔

"نہیں آنٹی میرا، کولمبس، ہونے کا غرور تو سونو نے آتے ہی توڑ دیا تھا۔" اس نے تاسف سے کہا۔

"یہ کیا ہے؟" سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر سونو کو دور کی چیز نظر آ گئی اور اس کی نظر کا پیچھا کرتے ہوئے شمی اور ہادی کو بھی۔ وہ بھاگ کر سونو کے سامنے دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑی ہو گئی۔

"ساری افواہیں سچ ہو جائیں گی اگر تم فوراً سب کو لے کر یہاں سے گئے نہیں تو۔" اس نے آنکھیں دکھاتے ہوئے دھمکایا۔ وہ فصیل بنی کھڑی رہ گئی اور اس کی صف میں غدار نکل آیا۔ ہادی جگہ کے نام والی تختی کے نیچے خشک پتوں کے درمیان، صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں کی تفسیر بنا ڈبہ اٹھا چکا تھا۔

"تم نے ایک بھی یوز نہیں کیا؟" اندر کی ایک کاجل کی بھی سیل ٹوٹی نہیں تھی۔ سب کی سوالیہ اور حیرت لیے نگاہیں شمی پر تھیں۔ وہ ڈبے کو یہاں سے نیچے پھینک کر جھیل برد کرنا چاہتی تھی لیکن اس کی سوریاں دیکھ کر عجیب سی تسلی ملی تھی۔ اسے پھینکنے کا ارادہ ابھی تو کامیاب ہوگا اس امید پر وہ اب تک وہاں موجود تھا۔

اس نے کچھ لمحے آنکھیں گھما کر سب کو دیکھا اور تیزی سے [illegible] کر ہادی سے ڈبہ چھین کر سیڑھیاں پھلانگنے لگی۔

"شمی ......"

"رکو تو۔"

"گر جاؤں گی۔"

"سنبھل کر۔"

"ایسا کیا ہے باکس میں؟"

"شمی ......"

اس کے پیچھے اترتے ہوئے وہ سب اسے آوازیں دے رہے تھے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور دل مسرت سے لبالب تھا۔ وہ ڈبہ سینے سے لگا کر ایک بار پھر گھر کی طرف دوڑ پڑی جہاں اس کی آنی کا بھی یہی حال تھا۔

☆☆

PKDAILYINFO.COM
URDU NOVELS MAG
URDU NOVELS MAG